حقیقی محبت
اور اس کے تقاضے

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی

مرتب

محمد ارمغان بدایونی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

شعبان المعظم/ ۱۴۳۶ھ = مئی/ ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	**حقیقی محبت اور اس کے تقاضے**
مصنف	:	مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ
مرتب	:	محمد ارمغان بدایونی ندوی
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
صفحات	:	۸۸
قیمت	:	Rs. 40/-

باہتمام : محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوۃ روڈ لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر ۷

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

محبت کی تاثیر ۱۲

طبعی محبت اور عقلی محبت ۱۴

محبت کا تقاضہ ۱۷

عقلی محبت کی مثال ۱۹

رسول کی محبت ۲۱

محبت کے اسباب ۲۲

احسان ۲۲

کمال ۲۳

مشکلات کا حل ۲۳

کمالات کا سرچشمہ ۲۴

جمال ۲۵
ایسی چنگاری بھی ۲۷
خلاصہ ۲۷

محبت کا صلہ

تقرب کا راز ۳۱
محبت کی جوہر ۳۳
محبت کا خاصہ ۳۵

محبوب کا ساتھ
اللہ کے محبوب سے دشمنی کا وبال

نبی کا مقام ۴۲
یا محمد ہوشیار! ۴۳
صحابہ کرام کا مقام ۴۴
حکمت الٰہی ۴۵
ولایت کا سہل نسخہ ۴۶

شیطان کا بہکاوا ۴۷
محبوبیت کا راز ۴۹
گستاخی کا انجام ۵۰
ایک اشکال اور اس کا جواب ۵۱
رحمت الٰہی ۵۲
ہماری ذمہ داری ۵۳

دوستی اور دشمنی کا معیار

محبت کی شرطیں ۵۶

حب الٰہی کے حقدار
مسلمان بھائی سے ملاقات کرنا

محبت کی علامت ۶۳
حقیقی محبت کے چند نمونے ۶۳
جھوٹی محبت کا انجام ۶۶
مفاد پرستی ۶۷

عرش الٰہی کے سایہ میں

منصف حاکم ۷۱
عبادت گزار نوجوان ۷۲
موجودہ دور کی ذہنیت ۷۳
جوانی کی عبادت ۷۴
اچھا اور برا دل ۷۶
غیبی نظام ۷۶
دو محبت کرنے والے ۷۷
محبت کا نسخہ ۸۰
پاک دامن انسان ۸۰
صدقہ کا اخفاء ۸۱
تنہائی میں رونا ۸۲

جس سے محبت ہو اس کو بتادے

اللہ کے لیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

از محبت تلخہا شیریں شود از محبت مسہا زریں شود

یہ ایک حقیقت ہے کہ محبت انسان کے اندر رس گھولتی ہے، کڑوے کو میٹھا اور سخت کو نرم بنا دیتی ہے، محبت سے بند دروازے کھل جاتے ہیں، اور دشوار سے دشوار کام بھی آسان ہو جاتا ہے، سفر کی صعوبتیں بھی راحت نظر آنے لگتی ہیں، اور منزل کو پالینا مشکل نہیں معلوم ہوتا، محبت ایک بہت وسیع بلکہ ایک بے نہایت صفت ہے، اس کے اندر نکھار جب ہی پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ آتی ہے جب اس کا محل بھی ناپیدا کنار ہو، پھر وہ اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ آتی ہے اور ہر ایک کو اس کا حق دیتی چلی جاتی ہے۔

یہ وہ محبت حقیقی ہے جو اس سراپا محبت ذات سے تعلق رکھتی ہے جس نے محبت و رحمت کے سارے حصے اپنے لیے رکھے اور ایک حصہ کل مخلوق

میں تقسیم کر دیا، اسی ذات سے جب محبت پیدا ہوتی ہے یہ حقیقی محبت کہلاتی ہے اور دل و دماغ کی گہرائیوں تک جاتی ہے، پھر کسی دوسرے کے لیے دل میں جگہ ہوتی ہے تو اسی ذات کے واسطے سے ہوتی ہے، جو اس ذات سے جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے اس کو اتنی جگہ ملتی ہے، اسی لیے اللہ کے بعد اس کے محبوب کا درجہ ہے جس ذات نے اللہ سے محبت کے آداب سکھائے اس کا طریقہ بتایا، وہ ذات خود کتنی محبت کے لائق ہے، پھر اللہ نے جس کا جو حق بتایا ہے محبت کا وہ حصہ اس کے لیے خاص ہے۔

محبت کے یہ درجات اور اس کی حقیقتیں اور اس کی تفصیلات پیش نظر اس کتاب کا موضوع ہیں، اس کی وضاحت بھی وہی کر سکتا ہے جو خود صاحب محبت ہو، جس کے دل میں محبت حقیقی کی وسعتیں ہوں اور جس نے اس کا مزا پایا ہو۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ برادر محترم و مشفق و مربی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ دروس جو اسی محبت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اور اس کی حقیقتوں اور وسعتوں کو اپنے جلو میں لیے ہوئے تھے وہ اس رسالہ کا موضوع ہیں۔

مبارک باد کے مستحق ہیں عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ کہ انہوں نے درد و محبت رکھنے والوں کے لیے ایسا ارمغان تیار کر دیا

جس سے ان کی پیاس بجھے گی بھی اور بڑھے گی بھی اور یہ سرد و گرم ہی محبت کا وہ انداز ہے جس کو پانے کے لیے نہ جانے کتنے اللہ کے بندے تڑپتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر ہم سب کے لیے حقیقی محبت کے حصول کا ذریعہ بنائے اور ہمارے دلوں کے رخ کو درست فرمائے، اور صاحب رسالہ کے علاوہ اس کے مرتب مولوی محمد ارمغان ندوی، اس پر نظر ثانی کرنے والے عزیز القدر مولوی محمد نفیس خاں ندوی اور ان تمام عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے اس میں حصہ لیا۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی
دار عرفات، مرکز الامام ابی الحسن الندوی
۹ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا مَن یَرْتَدَّ مِنکُمْ عَن دِینِهِ فَسَوْفَ یَأْتِی اللَّهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة:٥٤)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے، سو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود) میں لے آئے گا جنہیں وہ چاہتا ہوگا، اور وہ اسے چاہتے ہوں گے۔

فائدہ: آج دنیا کے جتنے مذاہب ہیں وہ اپنے معبودوں کی عقیدت ومحبت کے سلسلہ میں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے خدا کو صرف پیکر محبت وشفقت ہی سمجھتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو اپنے خدا کو صرف قانون کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یعنی اپنے معبودوں کے تعلق سے رحمت ومحبت کا کوئی ربط تصور ہی نہیں

کرتے، لہٰذا ظاہر ہے کہ وہ مذاہب اپنی اپنی ڈگر سے ہٹ گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اس طرح کے تصورات کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں، ورنہ سابقہ امم میں جو صحیح مذاہب رہے ہیں اور اب دین اسلام جو ہمارے سامنے صحیح شکل میں موجود ہے، اس میں خدا کا صحیح تصور اس کے اسماء کے ذریعہ سے دیا گیا ہے، اور خاص طور سے جو اسلامی نظام ہے، چاہے وہ عبادات کا ہو یا معاملات کا ہر نظام میں ان باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ لوگوں کے ذہن میں اللہ کا صحیح تصور قائم ہو، بالخصوص دین کے وہ بنیادی ارکان جن کو اسلام کے ستون کہا جاسکتا ہے، (شہادت، نماز، زکاۃ، روزہ، حج) ان کو بھی اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی اس تصور کا بہترین امتزاج پایا جاتا ہے۔

اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر نماز اور زکاۃ کے نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو بتانے اور اس کو ظاہر کرنے کے لیے ہیں، اسی طرح روزہ اور حج کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ محبوبیت الٰہی کا شاندار مظہر ہیں، معلوم ہوا کہ خداوند قدوس ایک طرف حاکم مطلق ہے تو دوسری طرف وہ تمام انسانوں کا محبوب بھی ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید میں ان دو چیزوں کا ایک ساتھ ذکر ملتا ہے، یعنی جہاں نماز کا تذکرہ ہے وہاں زکاۃ کا بھی ذکر ہے، کیونکہ ان دونوں کے اندر بندہ اللہ کی

حاکمیت مانتا ہے اور جب بندہ نے حاکم ہونا مان لیا اور اس کے قانون کو تسلیم کرلیا، تو گویا کہ اس نے اسلام کو بھی مان لیا، اسی طرح بقیہ جو دو ارکان ہیں (روزہ اور حج) وہ اس کی محکومیت کے مظہر ہیں، اسی لیے حدیث میں بھی یہی ترتیب رکھی گئی ہے، نمبر ایک پر نماز کا ذکر ہے پھر زکاۃ کا، اور اس کے بعد روزہ اور حج کا تذکرہ ہے، روزہ کے بعد حج کے ذکر کا یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے کہ آدمی نے جو روزہ رکھا ہے، وہ اصلاً اس نیت سے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کو حاصل ہوسکے اور اسی تڑپ میں وہ اپنا کھانا پینا بھی چھوڑ دیتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ بھی یہ چاہتا ہے کہ جب میرے بندہ نے میرے لیے کچھ وقت کو کھانا اور پینا چھوڑ دیا تو کیوں نہ اس کو اپنے گھر کی زیارت بھی کرادی جائے، پھر ادھر شدت شوق میں بندہ کی محبت میں بھی مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے، غرض کہ اس کو زیارت کعبہ نصیب ہوجاتی ہے، اور حج کے تعلق سے تو ہر ایک کو علم ہے کہ وہ سراپا عشق و محبت ہی کی کہانی ہے، جو حضرات حج کر چکے ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں۔

محبت کی تاثیر

بہر حال اللہ تعالیٰ کے دونوں اوصاف ہیں ایک تو طرف وہ حاکم ہے

دوسری طرف محبوب بھی، محبوب تو اس وجہ سے ہے کہ اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور یہ دنیا کا قاعدہ رہا ہے کہ ہر ایک کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے، یہاں تک کہ کمہار بھی جب کوئی برتن بناتا ہے تو اس کو اپنے برتن سے محبت ہوتی ہے، اگر کوئی شخص کمہار کے برتن کو جا کر توڑ دے یا برا کہہ دے تو اس کے پیشانی پر بل پڑ جائیں گے کہ آپ کون ہوتے ہیں کہنے والے؟ تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی ہے اور سارے انسانوں کو بنایا ہے، اس لیے یہ بات گویا کہ علامت ہے کہ اللہ کو انسانوں سے محبت ہے اور جب محبت ہے تو اس محبت کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ آپ کو بھی محبت ہو، اور محبت اللہ نے ایک ایسی چیز رکھی ہے کہ اس کے بغیر کام نہ آسان ہوتا ہے نہ انجام ترین ہوتا ہے، اگر کام کا تعلق صرف قانونی رکھا جائے تو اس میں فارملٹی تو ضرور پوری ہوگی، لیکن کام اچھا نہیں ہوگا، اسی لیے جو بات قانونی ہو وہ پیش نظر رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان اس کام کو اپنا کام سمجھے، اور یہ سمجھے کہ ہمارے مالک کا دیا ہوا ہے اس وجہ سے ہم اس کو کر رہے ہیں، اور پھر وہ ہمارا محبوب بھی ہے، تو پھر اس کام کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

محبت کے اندر اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی تاثیر رکھی ہے، اسی لیے اگر انسان محبت کے راستہ پر چلے تو کانٹے کے راستے بھی پھول معلوم ہوتے

ہیں، اور کڑواہٹ بھی مٹھاس میں بدل جاتی ہے اور پریشانی اور تکالیف بھی اس کو راحت اور خوشگوار معلوم ہوتی ہیں اور اگر محبت نہیں ہے تو ہلکی سی تکلیف بھی اس کو اس کے مقصد سے دور کر دیتی ہے، اس لیے حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندے اللہ سے محبت کریں اور خاص طور سے صاحب ایمان بندوں کو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے کہلوایا بھی ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دل و جان سے محبت کرنا چاہیے۔

طبعی محبت اور عقلی محبت

محبت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک طبعی محبت ہے اور ایک عقلی محبت ہے، طبعی محبت کی مثال جیسے ماں کو بیٹے سے ہوتی ہے، باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے، لیکن چونکہ بیٹے میں ماں کا جز بڑا ہوتا ہے اور یہ طبعی بات ہے کہ ہر چیز اپنے جزء سے ضرور محبت کرتی ہے، یوں تو باپ سے بھی اس کا تعلق ہے لیکن ماں کا تعلق زیادہ ہے، لہٰذا ماں باپ کی محبت طبعی محبت کہلائے گی، اسی طرح سے بیٹے کو بھی ماں باپ سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبت بھی طبعی محبت کہلائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ پیدا کیا ہے اس لیے اللہ کو بھی اپنے بندوں سے طبعی محبت ہے، کیونکہ اسی نے ماں باپ کو اور آپ کو، غرض کہ ساری دنیا کو بنایا ہے، تو ظاہر ہے اللہ کو طبعی محبت ہوگی، اور جب اللہ کو محبت ہے تو جس طرح سے بیٹے کو ماں باپ سے طبعی محبت ہوتی

ہے، اسی طرح سے بندہ کو بھی اللہ سے محبت ہونا چاہیے، یہ الگ بات ہے کہ ماں کو جو اپنے بیٹے سے محبت ہوتی ہے، وہ بیٹے کو ماں سے نہیں ہوتی، جس کی مثال ایک صاحب نے یوں دی ہے کہ ماں کو بیٹے سے زیادہ محبت کیوں ہوتی ہے؟ اور بیٹے کو اس قدر کیوں نہیں ہوتی؟ تو ان صاحب نے کہا کہ اگر آپ کسی جانور کے گوشت کا ٹکڑا نکال لیں، تو بدن بہت دنوں تک زخمی رہے گا اور پھر وہ نشان ہمیشہ باقی رہے گا، لیکن جب گوشت کا ٹکڑا باہر نکل آئے گا تو تھوڑی دیر تڑپے گا بس ٹھنڈا ہو کر رہ جائے گا، اس لیے جو باہر آ گیا ہے اس کا تعلق ویسا نہیں رہتا، لیکن جہاں سے وہ آیا ہے اور وہاں زخم چھوڑ کر آیا ہے تو اس کا تعلق ہمیشہ رہتا ہے، اسی لیے ماں کا تعلق بیٹے سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے نو ماہ تک بچہ کو اپنے پیٹ میں رکھا ہوتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے جب انسانوں کو پیدا کیا ہے تو گویا کہ اس کو طبعی محبت ہے، اور انسانوں کو بھی طبعی محبت ہے، لیکن انسانوں کی طبعی محبت دبی ہوئی ہے، اسی لیے اس کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اس چنگاری کو ابھارو، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم عقلی محبت کرو تو طبعی محبت خود بخود غالب آ جائے گی یا یوں کہہ لیں جب عقلی محبت کرو گے تو طبعی محبت ابھر کر آ جائے گی، کیونکہ عقلی محبت انسان کو جماتی ہے، اور طبعی محبت اڑاتی ہے، اگر آپ

اور ہم سب اپنے اعمال، طاعات اور اچھے کاموں کے اندر پرواز کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے طبعی محبت پیدا کرنی ہوگی لیکن اس طبعی محبت کو پیدا کرنے کے لیے پہلے عقلی محبت ہونا ضروری ہے، اسی لیے جہاں جہاں محبت کا مطالبہ ہے وہاں عقلی محبت کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ عقلی محبت کرو، یا یوں کہہ لیجئے کہ ایمانی محبت کرو، تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جو طبعی محبت اندر دبی ہوئی ہے وہ ابھر کر سامنے آئے گی، جیسے کسی پرندہ کا ایک بچہ ہے تو اس کا بچہ پہلے وہ پیدا ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا ہے پھر اس کے پر نکلنے شروع ہوتے ہیں اور جب پر نکلنے شروع ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ پر نکلنے کا مادہ اس کے اندر پہلے سے موجود ہے، جیسے ہماری داڑھی اور سر کے بال ہیں، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ڈاڑھی نہیں ہوتی لیکن بالغ ہونے کے بعد بال نکلنا شروع ہوجاتے ہیں، تو گویا کہ یہ مادہ اصلاً اندر موجود ہے، اس لیے بال نکل رہے ہیں، اسی طرح طبعی محبت ہمارے اندر موجود ہے۔

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ غالب آئے اور ہم اڑنے لگیں تو بالکل ایسے ہی جیسے پرندہ کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو بالکل اس کے پر کٹے ہوتے ہیں پھر اس کی ماں کھلاتی پلاتی ہے یہاں تک کہ پر نکلتے ہیں، اور شروع میں

جب پر نکلتے ہیں تو وہ پھڑ پھڑاتا ہے یہاں تک کہ جب پورے نکل جاتے ہیں تو وہ اڑ جاتا ہے، بالکل یہی حال اس طبعی محبت کا بھی ہے کہ آدمی پہلے جو اللہ کا حکم ہے وہ بجالاتا ہے پھر جب وہ حکم بجالاتا ہے تو گویا کہ اس کے اندر وہ عبادات اپنا کام کرتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اڑ جاتا ہے، اور روحانی پرواز اتنی زیادہ ہوجاتی ہے جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے، لیکن پرندوں اور ہماری پرواز کا یہ فرق ہے کہ پرندے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہم ان کو آنکھوں سے دیکھ بھی لیتے ہیں، لیکن انسانی پرواز ظاہری طور پر نظر نہیں آتی ہے، البتہ اس کی محبوبیت، مقبولیت، لوگوں میں اس کی عزت اور بڑے بڑے شاہان عالم کا ان کے آگے جھک جانا، اسی طرح بڑے بڑے مسائل کا منٹوں میں حل کردینا، پیچیدگیوں کا حل نکال دینا، لوگوں کو اس سے بڑی تعداد میں فائدہ پہنچنا اور اسکی وجہ سے ان کا صحیح راستہ پر لگ جانا یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہ اڑ رہا ہے۔

محبت کا تقاضہ

معلوم یہ ہوا کہ انسان کو اپنے اندر محبت پیدا کرنا چاہیے، اسی لیے قرآن میں یہ ذکر کردیا گیا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

محبت سے بیزار ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ ان کی جگہ ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے اور اللہ ان سے محبت کرنے والا ہوگا کیونکہ اصل چیز یہ ہے کہ انسان کے اندر دنیا کی ہر محبت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت غالب رہے، ورنہ صرف لفظ اللہ اللہ تو کوئی بھی شخص کہہ دیتا ہے، چاہے ملحد ہو جو اللہ کا انکار کرنے والا ہے وہ بھی بسا اوقات اللہ کو پکارنے لگ جاتا ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ اس وقت سوائے اللہ کے اور کچھ یاد ہی نہیں آتا، جیسے: روس کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا جو پہلا آدمی اوپر سے اترا تھا، تو اس کا کہنا ہے کہ میرے منہ سے اچانک اللہ کا لفظ نکلا، پھر اس نے یہ بیان دیا کہ ''میں نے پوری زندگی اللہ کا نام سنا ہی نہیں، میرے ذہن میں نہ اللہ تھا اور نہ ہی لفظ دین تھا، لیکن جب پیراشوٹ سے اترا تو اچانک میری زبان سے اللہ نکل گیا''۔

معلوم ہوا کہ ہر شخص کے اندر اللہ موجود ہے، گویا کہ اللہ نے دل میں اس کو کندہ کر دیا ہے اور اب تو بعض سائنسی انکشافات سے ثابت بھی ہو رہا ہے کہ ہر شخص کے اندر قلب میں باقاعدہ اللہ لکھا ہوا ہے، اسی لیے میں نے شروع میں ذکر کیا کہ طبعی محبت اصلاً اندر دبی ہوئی ہے لہٰذا اس کو ابھارنے کی ضرورت ہے اور ابھارنے کے لیے سوچ سمجھ کر اچھے اعمال

کرنے کی ضرورت ہے۔

عقلی محبت کی مثال

حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے تھے: عقلی محبت کو اس مثال سے سمجھنا آسان ہوگا کہ گویا آپ کو بخار چڑھا ہوا ہو اور ڈاکٹر نے دوا دی ہو اور یہ کہہ دیا ہو کہ یہ دوا اگر مریض پی لے تو اس کے لیے بہت مفید ہے، اس سے ساری تکالیف دور ہو جائیں گی تو مریض بڑے شوق سے اس کی دوا لے گا، یہاں تک کہ اگر دوا میلوں دور بھی ملے تب بھی لے آئے گا، حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ کڑوی دوا ہے اور اس کے استعمال سے منہ کڑوا ہو جائے گا، لیکن دوسری طرف آدمی جب یہ سوچتا ہے کہ اس سے فائدہ ہوگا تو فوراً استعمال کر لیتا ہے، اور شفا حاصل ہو جاتی ہے، تو شفا کا ہونا یہ طبعی محبت ہے اور کڑوی دوا کا لینا یہ عقلی محبت ہے۔

اسی طرح انسان ابتداء میں جو اعمال کرتا ہے لیکن اس کا جی نہیں چاہتا ہے پھر بھی یہ سمجھتا ہے کہ نماز کا یہ فائدہ ہے، حج کا یہ فائدہ ہے، دوسروں کی خدمت کرنے کا یہ فائدہ ہے، غرض کہ جو بھی دینی باتیں ہیں، ان سب کے فوائد ذہن میں رکھ کر جب وہ عمل کرے گا تو پھر وہ طبعی محبت کے درجہ میں پہنچے گا اور پھر ظاہر ہے کہ اس کی پرواز ہو جائے گی۔

اسی طرح سید صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب بارش کا موقع ہوتا ہے اور اس وقت ہمارے کسان بھائی جب اپنے اپنے گھروں میں آرام سے گہری نیند میں سو رہے ہوتے ہیں، تو جس طرح اچانک بادل اٹھنے، اور پانی گرنے کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے، اور وہ اپنا عمدہ لحاف چھوڑ کر فوراً کھیت کو چلے جاتے ہیں تاکہ میڑھ صحیح کرلیں، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اگر ابھی اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا تو اس سال نفع نہیں ہوگا، گویا کہ ان کو تصور میں لہلہاتا ہوا کھیت نظر آرہا ہوتا ہے، اس لیے سخت سردی میں بھی انسان اس مشکل کام کو کرتا ہے۔

اسی طرح ایک موقع سے فرمایا: اگر کوئی انسان سخت گرمی کے باوجود تراویح کی نماز میں کھڑا ہے لیکن جب اس کو جنت کا ایک جھونکا محسوس ہوتا ہے کہ ہم جو عمل کر رہے ہیں اس کا ہمارا ایک باغ تیار ہو رہا ہے تو اس وقت تراویح میں کھڑا ہونا آسان ہوجائے گا اور پسینہ برداشت کرنا نہایت سہل ہوجائے گا اور اگر ایسا نہیں سوچتا ہے تو تراویح پڑھنا صرف فارملٹی رہ جائے گا۔

اسی لیے آج کل کے ماحول کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ آج کل بجائے تراویح پڑھنے پر ثواب کے حصول نیت کے ہر شخص کی نظر پنکھوں ہی پر اٹکی رہتی ہے کہ جدھر اچھا پنکھا ہو ادھر جا کر کھڑا ہوجاؤں، تاکہ نماز میں

زیادہ آرام حاصل ہو سکے، حالانکہ اصل یہ ہے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے، اگر ایسی نیت ہو تو پھر ثواب بھی ڈبل حاصل ہوتا ہے، اور چونکہ اس کا تعلق براہ راست محبت کی وجہ سے جنت سے ہے تو اس جنت کی جب دل میں ہوا آئے گی تو اندر کی ٹھنڈک سے باہر کی گرمی کو نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ باہر کی گرمی کو بھی سکون حاصل ہوگا۔

رسول کی محبت

اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد دنیا میں سب سے پہلا محبت کا حق حضور اکرم ﷺ کا ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا معاملہ بہت ہی بلند و بالا ہے، اس لیے کہ آپ اللہ کے محبوب ترین بندے ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ کو اتنے پسند ہیں کہ آپ کی پسند پر ان کی پسند ہے، تو ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بھی چاہنا ضروری ہوگا اور ان سے بھی محبت کرنی ہوگی، اور یوں بھی اگر عقلی اعتبار سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے ہی ہم سب کو پورا دین، ہدایت نیز زندگی گزارنے کا طریقہ اور دستور العمل ملا، اور آخرت کا صحیح تصور ملا، جنت کی بہاریں ملیں، لہٰذا آپ سے محبت ہونی ہی چاہیے۔

محبت کے اسباب

دنیا میں کسی سے محبت کرنے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے انسان کسی سے محبت کرتا ہے، اگر ہم ان اسباب کو دیکھیں تو تین چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے انسان کسی سے محبت کرتا ہے:

(۱) احسان (۲) کمال (۳) جمال

احسان

پہلی چیز 'احسان' ہے، یعنی اگر کوئی کسی پر احسان کرے، تو جس درجہ میں احسان ہوگا اسی درجہ کی محبت ہوگی، اگر کوئی غریب ہے آپ اس کی مدد کردیں تو وہ محبت کرے گا، اور اسی طرح یہ بھی ایک قسم کا احسان ہے کہ آپ کسی کو دیکھیں کہ کوئی گڈھے میں جارہا تھا اور آپ اس کو بچالیں، تو وہ پوری زندگی آپ سے محبت کرے گا، اسی طرح اللہ نے دنیا میں ہر انسان پر دوسرے انسان کا احسان رکھا ہے، یعنی ماں کا احسان، باپ کا احسان، ساتھیوں کا احسان، لہٰذا جس درجہ میں جس کا احسان زیادہ ہوگا انسان کو اتنی ہی اس سے محبت بھی ہوگی، اس کے بعد انسان کو یہ غور کرنا چاہیے کہ سب سے بڑا احسان تو اللہ کا ہے کہ اس نے جانور نہیں بلکہ انسان بنایا اور پھر صاحب ایمان بنایا اور صاحب ایمان میں نماز، روزہ والا بنایا، اگر کوئی غور کرے تو اللہ کے بے

شمار احسانات ہیں، یہ تو چند موٹی موٹی باتیں ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں، اسی لیے قرآن مجید میں بار بار غور کرنے کے لیے کہا گیا ہے کیونکہ جب آدمی غور کرے گا تو اندر سے اللہ کی محبت جوش مارے گی، لیکن اگر کوئی غور ہی نہ کرے اور اس کی عقل ہی ماری جائے اور تدبر و تفقہ کی صلاحیت ہی ناپید ہو جائے تو اس سے بڑھ کر محروم کس کو قرار دیا جا سکتا ہے؟!

کمال

دوسری چیز 'کمال' ہے، اگر کسی انسان کے اندر کمال ہوتا ہے تو اس سے محبت ہو جاتی ہے، یعنی کوئی اچھی تقریر کرتا ہے، اچھی تدریس کرتا ہے، اچھا کام کرتا ہے، یہاں تک کہ آج حال یہ ہے کہ کھلاڑیوں سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھیل میں کمال حاصل کر لیتے ہیں، حالانکہ ان سے ہرگز محبت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے قیامت کے روز آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی، اس لیے اس بات سے ہر شخص کو توبہ کر لینا چاہیے کہ وہ غلط دوستی کبھی نہیں کرے گا۔

مشکلات کا حل

ایک مرتبہ میرا ایک ایسے جلسہ میں جانا ہوا جہاں بڑے بڑے پروفیسر

حضرات تشریف فرما تھے، اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ العالی بھی تشریف فرما تھے، دوران پروگرام اچانک انتظامیہ کی طرف سے میرے نام کا ایک رقعہ آیا کہ کچھ آپ بھی کہہ دیجئے، تو میں نے منع کر دیا کہ حضرت تشریف فرما ہیں، ہمارا بولنا ضروری نہیں ہے، لیکن جب زیادہ اصرار ہوا تو میں نے دو باتیں عرض کیں، ایک سائنس کے متعلق دوسرے طلباء کے متعلق، کیونکہ ان کے پروگرام کا عنوان تھا کہ ''اس وقت مشکلات کا حل کیا ہے؟'' تو ہم نے اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ صرف ایک حل ہے، وہ یہ کہ یہاں جتنے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں یہ اصلاً اپنا دل ناچنے، گانے اور کھیلنے کودنے والوں کو دے آئے ہیں، بس ان کو چاہیے کہ وہاں سے لا کر اللہ اور رسول ﷺ کے حوالہ کر دیں۔ اور دوسری بات سائنس کے متعلق کہی کہ: یاد رکھو جب اسلام کے گھر میں کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا ہے تو یہ سائنس نوکرانی ہے اس لیے جھاڑو دینے آتی ہے، بس اسلام میں اس کی یہی حیثیت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

کمالات کا سرچشمہ

معلوم یہ ہوا کہ جس میں کمال نظر آتا ہے انسان کو اس سے محبت ہو ہی جاتی ہے، لیکن چونکہ ہم لوگ اس قدر دنیا پرست اور ظاہر پرست اور دنیا

کے مال ومتاع کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ہماری ساری منتہائے فکر ونظر بس یہی ظاہری چیزیں ہو کر رہ گئی ہیں، اس لیے جوان میں کمال پیدا کرتا ہے اسی سے محبت کر بیٹھتے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ فیضان کمال کہاں سے ہو رہا ہے؟ یعنی اسی وقت یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر خداوند قدوس ان کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا نہ کرتا اور رسول پاک ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر دنیا نہ چلتی اور آپ نے علم کے راستہ کو جس طرح ہموار کیا ہے اگر اس پر امت نہ چلی ہوتی تو کیا دنیا آج یہاں پہنچ سکتی تھی؟ اگر کوئی شخص ان سب باتوں پر غور کرے تو معلوم ہوگا کہ یہ کمال اللہ کی اپنی ذات کے اعتبار سے ہے، جس کو نہ کوئی پا سکتا ہے، نہ چھو سکتا ہے، نہ ہی اس کا کماحقہ ادراک کر سکتا ہے، لیکن سارے کمالات کا سرچشمہ وہی ہے اور اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے سب سے بڑے صاحب کمال یعنی رسول پاک ﷺ کو وجود بخشا، اور وجود بخشنے کے بعد آپ کو نہ جانے کتنے کمالات سے نوازا، یہاں تک کہ ساری دنیا آج ان کے کمالات سے فائدہ اٹھا رہی ہے، اگر اس پس منظر کے ساتھ انسان غور وفکر کرے تو یقیناً آپ ﷺ سے محبت ہو جائے گی۔

جمال

تیسری چیز 'جمال' ہے یعنی انسان کو ہمیشہ اچھی چیز سے محبت ہوتی

ہے، مثلاً اچھا گلدستہ ہے، اچھا پھول ہے، اچھی گاڑی ہے یا کوئی بھی اچھی چیز ہو، اور خوبصورت ہو تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اس کی طرف انسان کی طبیعت ضرور مائل ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ داعیہ رکھا ہے کہ وہ خوبصورت چیز کی طرف بے ساختہ دوڑتا ہے اور اس کا دل مائل ہوتا ہے، لیکن یہاں بھی اگر وہ غور کرے کہ اللہ سے بڑھ کر حسن و جمال والا کون ہوسکتا ہے؟ تو پھر اس کی یہی محبت درست ہوجائے گی، اس لیے کہ اگر انسان اس بات پر غور کرے کہ حسن و جمال کے جتنے پیکر و مناظر اور نظارے ہیں وہ سب کہاں سے آئے؟ کس نے بنائے؟ کس نے پیدا کیے؟ تو صرف خدا کی ذات کی طرف نظر جاتی ہے، اس لیے یہ سوچنا چاہیے کہ جب ان صاحبان حسن و جمال کا یہ عالم ہے تو حسن ازلی کا عالم کیا ہوگا؟ اس کے تعلق سے تو آدمی تصورات ہی میں کھو جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ جن اللہ کے نیک بندوں کو اس طرح کی صحیح سوچ نصیب ہوئی تو وہ خدا کی یاد میں ایسے مست ہوگئے کہ صرف لفظ اللہ ہی سے ان کو لطف آتا تھا، یہاں تک کہ نام لیا اور دل دھڑکنے لگا، اسی لیے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن میں آتا ہے کہ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً﴾ (الأنفال: ۲) یعنی جب ان کے سامنے

اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی ہیں۔ حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددیؒ فرماتے تھے کہ اس کا ترجمہ یوں ہے کہ: نبضیں تیز ہوجاتی ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے"۔

ایسی چنگاری بھی.....

اس طرح کے واقعات ہمارے بزرگان دین کے تعلق سے بے شمار ہیں کہ جب بھی ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کا نام لیا جاتا تو آنسو جاری ہوجاتے تھے، یہاں تک کہ اس زمانہ میں بھی بعض اللہ کے ایسے ایسے بندے موجود ہیں کہ اگر ان کے سامنے اللہ کا نام لے لیا جائے تو ان پر کیفیت طاری ہوجاتی ہے، میری خود ایک صاحب سے ممبئی میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میرے ایک ساتھی جو بہت بڑے افسر بھی ہیں، وہ اندر سے مسلمان ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کا نام لیا جاتا ہے تو ان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑتے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا محبت کرنے کے تین اسباب پر غور کر کے ہم کو اپنی عقلی محبت بیدار کرنا چاہیے، حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان مذکورہ بالا

تینوں اسباب پر غور کرے تو اس کے اندر عقلی محبت پروان چڑھتی ہے، اور پھر اسی عقلی محبت کے بعد طبعی محبت کی وہ چنگاری جو انسان کے اندر دبی ہوئی ہے سامنے نکل کر آتی ہے، جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پھر محبت کی وجہ سے انسان کا ہر انداز نرالا ہو جاتا ہے، ہر شان نرالی ہو جاتی ہے، ایک ایک لفظ محبت میں ڈوبا ہوا اور دلوں کو چھوتا ہوا نکلتا ہے، لیکن یاد رہے کہ اگر ہم نے اس کو نہ سمجھا تو مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف اشارہ فرما دیا ہے کہ اگر تم نے میرا راستہ چھوڑا، اور مرتد ہو گئے، تو اللہ ایک ایسی قوم لائے گا جو ایک دوسرے کو خوب چاہیں گے اور اللہ سے بھی بہت محبت کرنے والے ہوں گے۔

محبت کا صلہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: انَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَتىٰ السَّاعَةُ؟ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَعْدَدْتَ لَهَا"؟ قَالَ: حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، قَالَ "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ". قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَأَنَا أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ وَانْ لَمْ أَعْمَلْ بِأَعْمَالِهِمْ.(۱)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے فرمایا: ایک اعرابی (بدو) نے حضور ﷺ سے پوچھا، قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے اس کے لیے کیا

(۱) مسلم کتاب البر والصلة فی باب المرء مع من أحب، رقم: ۲۶۳۹

تیاری کی ہے؟ اس اعرابی نے کہا، اللہ اور اس کے رسول کی محبت (جواب میں) حضور ﷺ نے فرمایا: تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہوگے، (اس پر) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں، مجھے (خدا سے) امید ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گا چاہے ان کے جیسے کام نہ کرسکوں۔ (مسلم)

فائدہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی جناب رسالت مآب علیہ ازکی الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بے تکلفی کے ساتھ آتے ہی یہ سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ تو اس نے بے تکلف بات کہی کہ میری تیاری اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ "أنت مع من أحببت" یعنی تم کو جس سے محبت ہے اسی کے ساتھ رہوگے، گویا کہ آپ نے اس میں یہ بات فرمادی کہ اگر تم کو واقعی کسی سے سچی محبت ہے، تو تم اسی کے ساتھ رہوگے، حضور اکرم ﷺ کا یہ جملہ سن کر حضرت انسؓ

فرماتے ہیں کہ میں بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت کرتا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ آخرت میں میں انہیں کے ساتھ رہوں گا، اور آپ کا یہ یقین اس لیے بھی تھا کیونکہ حضرت انسؓ صرف صحابی رسول ہی نہیں ہیں بلکہ آپ کو خادم رسول ﷺ کا بھی شرف حاصل ہے، تو اس اعتبار سے دنیا ہی میں اگر دیکھا جائے تب بھی آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کی معیت حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت انسؓ خود فرماتے ہیں کہ میں محبت کرتا ہوں، اور بعض روایات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ بات سن کر اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی، البتہ روایت کے آخر میں حضرت انسؓ نے سمجھانے کے لیے ایک بات اور ارشاد فرمادی "وان لم أعمل باعمالهم"، یعنی اگر ان جیسے اعمال نہ ہوسکیں، پھر بھی محبت تو انہی سے کرنا چاہیے، تو اللہ تعالیٰ ویسے اعمال کی بھی توفیق سے نوازے گا۔

تقرب کا راز

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس بہت سے لوگ رہتے تھے، ان لوگوں میں سے ایک شخص کو حضرت بہت چاہتے تھے، لہٰذا دوسرے حضرات کو یہ احساس ہوا کہ یہ شخص کچھ زیادہ منہ لگا ہوا ہے، ہر وقت شیخ کے

ساتھ رہتا ہے اور حضرت بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے ہیں، الغرض ایک دن حضرت لوگوں کے اس اعتراض کو سمجھ گئے کہ لوگ ان سے حسد میں مبتلا ہو گئے ہیں، لہٰذا انہوں نے ایک دن سب کا امتحان لیا، وہ اس طرح کہ سب کو ایک ایک مرغ دیا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکتا ہو، لہٰذا سارے لوگ گئے اور چھپ چھپا کر ذبح کر کے لے آئے، لیکن ان صاحب نے جو حضرت کے خاص تھے، اپنا جانور ذبح نہیں کیا، تو شیخ نے سب سے پوچھا کہ تم نے اپنا جانور کہاں ذبح کیا؟ تم نے کہا ذبح کیا؟ سب نے بتایا کہ فلاں فلاں جگہ کیا ہے، آخر میں اس شخص سے پوچھا کہ تم نے ذبح کیوں نہیں کیا؟ کہا مجھے کوئی ایسی جگہ ملی ہی نہیں کہ جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو، یعنی ہر جگہ اگرچہ کوئی نہیں ہوتا تھا لیکن وہاں اللہ تعالیٰ تب بھی موجود ہوتا تھا، اس لیے میں ذبح نہ کر سکا، پھر حضرت شیخ نے بتایا کہ یہ اسی لیے میرے مقرب ہیں۔

اسی طرح ایک موقع سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تھا، کیونکہ آپ بھی اکابر صحابہ کی مجلس میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھتے تھے، حالانکہ بہت کم عمر والے تھے لیکن پھر بھی اکابر صحابہ کے سامنے بیٹھنا ہوتا تھا، تو اس پر بھی بعض لوگوں کو یہ اعتراض ہوا کہ ہم بڑے ہو کر اس مقام کے مستحق نہیں ہیں تو یہ بچہ کیوں کر مستحق ہو سکتا ہے؟

چنانچہ لوگوں کے اس اعتراض کو حضرت عمرؓ سمجھ گئے لہٰذا ایک مرتبہ حضرت عمر نے ان سب کو بٹھایا اور کہا کہ آپ حضرات "اذا جاء نصر اللہ والفتح" کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ تو سب نے اپنی اپنی رائے بتائی، کسی نے ترجمہ کر دیا، کسی نے تشریح کر دی، آخر میں جب اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر تھی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس بیان کو سننے کے بعد تمام لوگوں کو خود ہی سمجھ میں آ گیا کہ ان کا علم اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو صحیح مقام دیا ہے۔

محبت کا جوہر

معلوم یہ ہوا کہ جس کے اندر جس قدر اخلاص و محبت ہوگا، اسی قدر اس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہوگا، کیونکہ خدا اخلاص اور محبت کے درجے کو بخوبی جاننے والا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ محبت وہ جوہر ہے جو انسان کو چمکا دیتا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے شراب پی لی تو ان کو سزا دے دی گئی لیکن انہی کا معاملہ دوسری بار بھی دربار رسالت میں کسی اور موقع سے پیش کیا گیا کہ آج انہوں نے پھر شراب پی ہے، تو اس بات پر کہ دوبارہ انہوں نے ایک ممنوع چیز کو استعمال کیا بعض

صحابہ کے تیور کچھ بدلتے نظر آئے، تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہاں تک مجھے اس شخص کے بارے میں علم ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، تو محبت وہ جوہر ہے کہ جس کو یہ مل جاتا ہے تو آدمی چمک جاتا ہے۔

اسی طرح سے محبت رسول کا ایک واقعہ حضرت مولانا (علی میاں صاحبؒ) نے ''کاروان مدینہ'' میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے ایک مشہور شاعر ایک مرتبہ شراب پئے ہوئے تھے اور مجلس گرم تھی اور سارے شعراء موجود تھے اور یہ تو حقیقت ہے کہ شراب پینے کے بعد کسی کا دماغ ہوش میں نہیں رہتا ہے، اور سوچنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تو ایک صاحب نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ علامہ اقبال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو اسی حالت میں کہا کہ ارے ایسا ہی ہے، پھر معلوم کیا کہ جگر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہا ارے گویا ہے، اتفاق سے وہیں کوئی ملحد آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے پوچھا کہ محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو اس سوال پر ان کے اندر کا ایمان جاگ اٹھا اور اس محبت نے جوش مارا جو ابھی تک اندر دبی ہوئی تھی، اور بہت غصہ سے یوں کہا کہ اس ناپاک محفل میں تم نے یہ پاک نام کیسے لیا؟ بوتل اٹھائی اور اس کے سر پر ماری، اور کہا: بیہودہ تو اتنا آگے بڑھ گیا کہ ایسی ناپاک مجلس میں پاک آدمی کا نام

لیتا ہے، اور خود کے بارے میں کہا کہ کیا اب میں اتنا گندا ہو گیا کہ لوگ مجھ سے غلط فائدہ اٹھائیں۔ معلوم یہ ہوا کہ محبت وہ جوہر ہے جس کو اللہ نصیب فرمادے تو پھر اس کے درجات کی بلندی میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

محبت کا خاصہ

محبت انسان کے اندر جس طرح پیدا ہوتی ہے اسی کے مطابق انسان کا جسم ڈھلتا ہے اور عقلی محبت سے طبعی محبت تک آدمی پہنچتا ہے، کیونکہ محبت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ محبت جذب کرتی ہے، یعنی محبت ایسی چیز ہے کہ اگر آدمی کسی سے محبت کرلے تو جس سے اس کو محبت ہوگی اس کے کمالات خود اس کے اندر منتقل ہونے لگیں گے، یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ چہرہ بھی انسان کا بالکل اپنے محبوب جیسا ہی ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے سب سے زیادہ چال ڈھال، طرز وادا اور گفتگو میں کون مشابہ تھا؟ تو صحابہ نے جواب دیا کہ یہی عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں، حالانکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خاندان کے نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی محبت تھی کہ چال ڈھال بھی ان کا ویسا ہی ہو گیا تھا، اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی مثال ہے، حضرت ابو بکر بھی اللہ

کے رسول ﷺ سے بالکل مشابہ ہو گئے تھے، روایت میں آتا ہے کہ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کون ہیں؟ اور حضرت ابو بکرؓ کون ہیں؟ لہٰذا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چادر لے کر آپ ﷺ کے اوپر کھڑے ہو گئے، تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضور اکرم ﷺ کون ہیں؟ اسی لیے بعض ضعیف روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کے وصال کے غم سے حضرت ابو بکر کے منہ سے جلے ہوئے گوشت کی بو آیا کرتی تھی، کیونکہ آپ کا کلیجہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے غم میں بالکل جل گیا تھا۔

(واللہ أعلم بالصواب)

☆☆☆

محبوب کا ساتھ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنه قال: جَاءَ رَجُلٌ الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَرىٰ رَجُلاً أَحَبَّ قَوْماً وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى الله عليه وسلم: (اَلْمُؤْمِنُ) مَعَ مَنْ أَحَبَّ.(۱)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے لوگوں سے محبت کی، لیکن ان کے مرتبہ کا نہیں ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا: مومن جس سے محبت کرتا ہے، اسی کے ساتھ ہوگا۔ (مسلم)

(۱) مسلم کتاب البر والصلة فی باب المرء مع من أحب، رقم: ۲٦٤٠

فائدہ:- مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ جس نے صحابہ کرام کا عہد نہیں پایا لیکن ان سے محبت کرتا ہے تو اس کا انجام بھی انہی کے ساتھ ہوگا جن سے اس نے محبت کی ہوگی؟ کیونکہ محبت زمانہ کی وسعتوں کو سمیٹ دیتی ہے، اور مشرق و مغرب کے کناروں کو ملا دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے گویا کہ محبت کے اندر برق زنی کا مادہ رکھا ہے، لیکن اس کے اندر بھی درجات کا خیال رکھا جائے گا یعنی جس کو جس قدر جس سے محبت ہوگی وہ اسی اعتبار سے اس کے ساتھ ہوگا، یعنی جو محبت حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ہوسکتی ہے وہ ہم کو نہیں ہوگی، اور جو محبت صحابہ کو رسول ﷺ سے ہوسکتی ہے وہ بھی ہم کو حاصل نہیں ہوگی۔

کیونکہ صحابہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ یہ حضرات رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھ بھی نہیں پاتے تھے، اس لیے کہ آپ کے چہرے پر ایسی تابانی اور ایسا نور تھا کہ کسی کی آنکھیں نہیں ٹکتی تھیں، بڑے بڑے صحابہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی گردن جھکی رہتی تھی، اور آپ کو عموماً سوائے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے یا پھر گھر کے لوگوں کے اور کوئی نہیں دیکھتا تھا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام میں انہی حضرات نے حضور پاک ﷺ کے حلیہ کو بیان کیا ہے، اور اگر کسی دوسرے شخص نے بیان بھی کیا ہے تو بہت مختصر بیان کیا ہے، غرض کہ جس کو جس اعتبار سے

جتنی محبت ہوگی اتنا ہی اس کا مرتبہ بلند ہوگا، البتہ اس کی رفاقت اسی شخص کے ساتھ ہوگی جس سے اس کو محبت ہوگی، چاہے محبت کرنے والا کسی برادری، کسی قوم، کسی بھی علاقہ کا ہو، کیونکہ آپ نے فرمادیا کہ "المرء مع من أحب" یعنی آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔

☆☆☆

اللہ کے محبوب سے دشمنی کا وبال

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: انَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَالَ: "مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ الیَّ عَبْدٌ بِشَیْءٍ أَحَبَّ الیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ، وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ الیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتیٰ أُحِبَّهٗ، فَاذَا أَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ، وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا، وَانْ سَأَلَنِیْ أَعْطَیْتُهٗ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِیْذَنَّهٗ. (۱)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو میرے دوست

(۱) البخاری، کتاب الرقاق فی باب التواضع، رقم: ۶۵۰۲

(ولی) سے دشمنی رکھے گا میں نے اس سے لڑائی کا اعلان کر دیا، میرے بندوں کا فرائض سے نزدیکی (قرب) حاصل کرنا جس قدر مجھے محبوب ہے اس قدر کسی نیکی سے نزدیکی مجھ کو محبوب نہیں، میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری)

فائدہ:- مذکورہ بالا حدیث میں بیان کیا گیا کہ جو میرے ولی سے دشمنی کرے گا تو میں نے اس سے اعلان جنگ کر دیا، کیونکہ ولی کے معنی دوست یعنی محبوب کے ہیں، اسی لیے ولی محبوب کو بھی کہتے ہیں، اور اللہ کے جنگ کا اعلان اگر قرآن وحدیث میں دیکھا جائے تو دو مقام کے علاوہ ایسا اعلان کسی بھی چیز کے لیے نہیں ملتا، نمبر ایک جو اللہ کے ولی یعنی اللہ کے محبوب ومقرب بندے ہیں، اس کے پسندیدہ بندے ہیں، ان کے ساتھ بدتمیزی کرنے والے کے ساتھ۔ اور دوسرے سود خور، یعنی سودی

لین دین کا معاملہ کرنے والے کے ساتھ، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ ﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (البقرۃ:۲۷۸) یعنی سودی کاروبار کرنے والے کے ساتھ اللہ کا اعلانِ جنگ ہے، اسی طرح جو شخص اللہ کے محبوب بندوں سے دشمنی مول لیتا ہے اس سے بھی اعلان جنگ ہے، خلاصہ یہ کہ ایسے لوگ اللہ سے دشمنی لے کر کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

نبی کا مقام

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے سب سے اونچا مقام انبیاء کا رکھا ہے اور ان میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کا مقام سب سے بلند ہے، اسی لیے آپ ﷺ کی محبوبیت کا عالم تو اتنا اونچا ہے کہ اگر انجانے میں بھی بے ادبی ہو جائے تو انسان کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، اور اگر بے ادبی جان بوجھ کر ہو تو پھر اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں ہے، اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا کہ جب بارگاہ نبوی میں آؤ تو اپنی آوازوں کو پست کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آواز جناب رسالت مآب ﷺ کو ٹھیس پہنچائے۔ اللہ اکبر! اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قدر اللہ اپنے محبوب کا خیال فرماتا ہے، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دربار رسالت میں حاضری کے آداب بھی

بیان کر دیے ہیں، لہٰذا اگر کسی کو محفل نبوی ﷺ کے آداب کا مطالعہ کرنا ہے تو وہ قرآن مجید کا مطالعہ کر لے، حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں نے نبی کے مقام بلند کو پہچانا ہی نہیں ہے۔

یا محمد ہوشیار!

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے مقام کو جاننے میں انسان اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ شرک ہو جائے، یعنی آپ ﷺ کے مقام کو نہ اتنا گھٹایا جائے کہ گستاخی ہو جائے اور ایمان خطرے میں پڑ جائے اور نہ اتنا بڑھایا جائے کہ شرک ہو جائے، غرض کہ دونوں ہی اعتبار سے محتاط رہنا ہوگا، مثلاً بعض لوگ حضور ﷺ کی محبت میں بسا اوقات یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اندر خدا حلول کر گیا تھا، اور آپ ﷺ اللہ کے بندے نہیں ہیں، آپ بشر نہیں ہیں۔ یاد رکھیں کہ اس طرح کے جملے بھی اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں بالکل گستاخی ہیں کیونکہ آپ کا اصل کمال تو یہ ہے کہ آپ بشر ہو کر بھی ملائکہ کے امام ہیں، اور اگر فرشتہ ہو کر ہی ملائکہ کے امام بن گئے ہوتے تو کیا کمال رہتا؟ البتہ اگر کوئی بشر ہو کر ملائکہ کا امام بنے تو یہ واقعی کمال کی بات ہے، مثلاً: کوئی شخص نابینا ہے اور یہ کہے کہ میں نامحرم کو نہیں دیکھتا تو یہی کہا جائے

گا کہ اس میں کیا بڑی بات ہے؟ لیکن اگر کوئی بینا ہو کر یہ کہے کہ میں نامحرم کو نہیں دیکھتا تو واقعی اس بات کو سراہا جائے گا، اسی طرح سے فرشتہ ہو کر کوئی فرشتوں کا سردار ہو جائے تو کمال نہیں بلکہ بشر ہو کر کوئی فرشتوں کا سردار بن جائے تو واقعی کمال ہے، اسی طرح سے آپ ﷺ کا یہ بھی کمال ہے کہ آپ بشر تھے لیکن بشر ہو کر بھی آپ کو الحمد للہ کبھی غلط خیال نہیں آیا، اسی طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں اس لیے کہ آپ بشر تھے، لیکن کبھی ضرورت کے لیے آپ کو کسی غیر عورت کا خیال نہیں ہوا یہاں تک کہ کبھی کسی نامحرم کو بھی نہ دیکھا تو یہ آپ ﷺ کا کمال ہے، معلوم یہ ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ بشر ہیں، لیکن بشر میں آپ کا اتنا اونچا مقام ہے کہ سارے اولیاء، سارے انبیاء آپ کے بعد ہیں، آپ کے سامنے کسی ولی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا مقام

اس کے بعد سب سے اونچا مقام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درجہ بدرجہ ہے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے، لہٰذا اگر کوئی ان کی شان میں

گستاخی کرتا ہے تو وہ دشمن خدا اور دشمن رسول ہے، کیونکہ صحابہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے، لہٰذا یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو برا کہنے والے روافض ہوں یا شیعہ ہوں، غرض جو بھی حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کو برا کہتا ہے وہ کھلے طور پر اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے، اور اللہ نے ایسے ہی شخص سے اعلان جنگ کر رکھا ہے، اور جنگ کا مطلب صرف یہی نہیں جو ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ گردن اڑا دی جائے بلکہ اللہ تعالیٰ بہت بلند و بالا ہے، اور کہاں کس کو لے جا کر سزا دینی ہے وہ بخوبی جانتا ہے۔

حکمت الٰہی

اسی لیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! جو ایمان والے ہیں ان کو دنیا کا مال و متاع عطا فرما، تو اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا: دنیا میں ہم کافروں کو بھی دیں گے اور مومنوں کو بھی عطا کریں گے، البتہ آخرت میں صرف اہل ایمان ہی کو ملے گا، تو اللہ تو بہت بلند و بالا اور حکیم ہے، اس کو بخوبی معلوم ہے کہ کس کو کب کیا سزا دینی ہے؟ اور اسی طرح اس سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ کون اس کا باغی ہے اور کون فرمانبردار؟ لیکن ہم لوگ اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کر پاتے

ہیں، حالانکہ اس کو ایک مثال سے اگر سمجھا جائے تو سمجھنا بہت آسان ہوگا، مثلاً: کوئی چھوٹا بچہ اپنے والد کے سامنے غلط حرکتیں کر رہا ہو اور منع کرنے سے باز بھی نہ آ رہا ہو، اور وہ بچہ یہ سمجھ رہا ہو کہ والد صاحب کچھ نہیں کہیں گے، لیکن آپ کو کچھ دیر بعد غصہ آجائے تو وہیں پر اس کی پٹائی کر سکتے ہیں، یعنی جس طرح بہت دیر تک ڈھیل دینے کے بعد آپ نے اس بچہ کی گرفت کر لی، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ جو کہ حاکم مطلق ہے ایک مدت تک ڈھیل دینے کے بعد اپنے باغی کی سخت گرفت فرمالے گا، اسی لیے اس نے اعلان کر دیا کہ ہوشیار ہو جاؤ جو بھی میرے کسی محبوب کو تکلیف پہنچائے گا تو وہ مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

ولایت کا سہل نسخہ

اس کے بعد روایت میں اللہ کے ولی بننے کا نسخہ بھی بیان کر دیا گیا، وہ یہ کہ انسان ان کاموں کو کرے جو اللہ کو پسند ہیں اور ان میں سب سے پہلے اللہ کے پسندیدہ وہ کام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرض کے بطور مقرر فرمائے ہیں، یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں انسان کوئی کسر نہ چھوڑے، اور پھر اس کے بعد جو نفلی چیزیں ہیں ان کو ادا کرے تو انسان اس کے ذریعہ سے اللہ کا محبوب بن سکتا ہے، لیکن آج کا مسئلہ یہ ہے کہ انسان

فرائض کو چھوڑ کر نفل کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔

شیطان کا بہکاوا

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کے پاس ایک مرتبہ کوئی صاحب بیعت کی غرض سے آئے، تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے اوپر جتنے حقوق العباد ہیں، کیا آپ نے ان کی ادائیگی کر لی؟ فرمایا: اگر ادائیگی نہیں کی ہے تو پہلے اس کام کو کرو، بعد میں اوراد و وظائف شروع کرنا۔ پھر فرمایا: آج کل لوگ وظیفے اور ذکر واذکار کی فکر میں رہتے ہیں، لیکن میں پہلے یہ بنیادی چیزیں چیک کرتا ہوں کہ انسان کے معاملات ٹھیک ہیں یا نہیں؟ اور پھر فرمایا: مشائخ بھی آج اس مرض میں مبتلا ہیں یعنی انسان پر جو بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ ہی نہیں کراتے، تو اس انسان کی کیا اصلاح ہوگی؟ اور یہ دنیا کا بھی دستور ہے کہ انسان کی ڈیوٹی پہلے دیکھی جاتی ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص کارخانہ میں ملازم ہے لیکن وہاں پورے آٹھ گھنٹہ کی اپنی ڈیوٹی انجام نہ دے، البتہ اوور ٹائم میں ضرور رہے، تو ایسے شخص کو کارخانہ کا مالک معاف نہیں کرسکتا بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس کو کارخانہ سے نکالنے کا نوٹس بھیج دیا جائے۔

اسی طرح آج کل کا مرض یہ ہے کہ ہر شخص فرائض کو چھوڑ کر صرف وظیفہ اور نوافل کے چکر میں پڑا ہوا ہے کہ کوئی کچھ پڑھنے کو بتادے تاکہ اس کے ذریعہ سے مجھے بڑے بڑے مناصب حاصل ہو جائیں، در حقیقت یہ شیطان انسان کو بہکاوا دیتا ہے کہ کچھ وظائف یاد کر کے فرائض کو ترک کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں امام جوزیؒ نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ شیطان انسان کو کس طرح بہکاتا ہے، کبھی وظائف کا لالچ دے کر، کبھی دین میں غلو کرا کر وغیرہ وغیرہ، حالانکہ وظائف وغیرہ کا معاملہ فرائض کے بعد ہے، لیکن اگر کوئی پانچ وقت کی نماز نہ پڑھے اور تراویح پڑھے تو بلاشبہ اس کا یہ عمل شیطان کا بہکاوا ہے جو اس کو غلط راستہ پر لے جا رہا ہے، یہاں تک کہ آج کل خاص طور سے ہمارے ملک کا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ یہاں بعض علاقوں میں چاہے لوگ پانچ وقت کی نمازیں نہیں پڑھیں گے لیکن ایسی ایسی نمازیں پڑھتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ بہت پہنچے ہوئے شیخ ہیں، مثلاً بعض لوگوں نے صلاۃ العاشقین اور صلاۃ المحبت، صلاۃ الفقر جیسی نہ جانے کتنی بے بنیاد نمازوں کو گڑھ رکھا ہے، جس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت ہی نہیں ہے، یہاں تک کہ باقاعدہ اہتمام کے ساتھ اس کی جماعت بھی ہوتی ہے، در حقیقت یہ سب چیزیں وہ ہیں جن

کے اندر پھنسا کر شیطان نے ان کو فرائض سے غافل کر رکھا ہے۔

محبوبیت کا راز

لہٰذا یہ بات واضح رہنا چاہیے کہ ہم کو پہلے فرائض کی ادائیگی کرنا ہے پھر نوافل یعنی اوور ٹائم کی ڈیوٹی بھی انجام دینا ہے، تاکہ ہم اللہ کے مقرب بن سکیں، ورنہ بغیر فرائض کی پابندی کے صرف نوافل کے ذریعہ سے قرب الٰہی کا حصول ناممکن ہے، اور اوور ٹائم ڈیوٹی یعنی نوافل کیا کیا ہیں؟ تو ان کے درجات ہیں، سب سے پہلے تہجد ہے، پھر اوابین ہے، چاشت ہے اور پھر اس کے بعد دیگر نوافل ہیں جن کی پابندی کرنا چاہیے، مثلاً: تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، صلاۃ الحاجۃ، صلاۃ التسبیح، صلاۃ التوبہ وغیرہ، لیکن یہ یاد رہے کہ پہلے فرض ادا کرنا ہے پھر معاملات کو درست کرنا ہے، اور معاملات میں سب سے پہلے یہ ہے کہ ماں باپ کے آداب کو بجالایا جائے، اور رشتہ داروں اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص ان سب کاموں کے ساتھ نوافل کی بھی پابندی کرتا ہے تو اس کی روحانی ترقی کی کوئی انتہاء ہی نہیں ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا

ہے، اسی لیے حدیث میں فرمایا: وہ میرا محبوب بن جاتا ہے اور پھر میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، وہ پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور پھر بندہ مجھ سے جو کچھ مانگتا ہے میں اس کو وہ عطا کرتا ہوں، اور اسی لیے ایسے شخص کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر اس کو کوئی ستاتا بھی ہے تو اللہ کی طرف سے اس کی پکڑ ہونے کا اعلان ہو جاتا ہے۔

گستاخی کا انجام

اسی لیے یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص بزرگوں کے تعلق سے بدتمیزی کرتا ہے تو اس کی دنیا اور آخرت برباد ہو جایا کرتی ہے، اخیر دور میں حضرت مولانا علی میاںؒ کو وہ مقام حاصل تھا، کیونکہ میں نے خود حضرت کے تعلق سے برا کہنے والے لوگوں کا انجام دیکھا ہے کہ انہوں نے ذرا سی گستاخی کی اور اللہ نے دنیا ہی میں ان کا کیا انجام کیا ہے۔ اسی طرح ایک بزرگ کے تعلق سے آتا ہے کہ کسی شخص نے ان کو کچھ برا بھلا کہہ دیا تو انہوں نے فوراً مریدین کو حکم دیا کہ اس کو جلدی مارو، لیکن مریدین نے مارنے میں تاخیر کی، یہاں تک کہ وہ اچانک خود ہی مر گیا، چنانچہ شیخ نے بتایا کہ اس نے جب بے ادبی کی تھی تو اسی وقت اللہ کی پکڑ آنے والی

تھی، اور مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ کہیں اللہ کی پکڑ نہ آجائے، اسی لیے میں نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو جلدی مار دو، تاکہ یہ اس بڑی پکڑ سے محفوظ رہے، لیکن تم نے نہیں مارا، لہٰذا اللہ کی پکڑ آگئی، کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو اللہ کے ولی کے مقابلہ میں آتا ہے تو اللہ خود اس شخص کے مقابلہ میں آجاتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندہ کا ہاتھ بن جاتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کے اندر الوہیت حلول کر جاتی ہے، جیسا کہ بعض اہل بدعت نے اس کا یہی مطلب لیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص محفوظ ہو جاتا ہے اور پھر محفوظ ہونے میں بھی یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ اب ایسا نہیں کہ اس شخص سے گناہ کا صدور نہیں ہوگا بلکہ محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص گناہوں پر مصر نہیں رہے گا، بلکہ اگر گناہ ہوں گے تو فوراً توبہ کرلے گا، اور توبہ ایسی چیز ہے کہ انسان کو بالکل پاک صاف بنا دیتی ہے، گناہوں سے دھل دیتی ہے، اور آدمی ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے آیا ہو، لیکن اس میں بھی یہ خیال رہے کہ توبہ کا جو حق ہے اسی طریقہ پر توبہ ہونی چاہیے، یعنی توبہ کا

سب سے اہم جزء ندامت ہے، تو توبہ کرتے وقت یہ جزء انسان کے اندر پوری طرح ہونا چاہیے کہ وہ اپنے کیے پر پچھتائے اور روئے، اور اپنی گناہ گاری، قصور واری اور خطا کاری پر دل سے نادم ہو، چاہے ظاہر میں کچھ نہ ہو، لیکن اندر اندر وہ بالکل پریشان و پشیمان رہے۔

رحمت الٰہی

اگر کوئی شخص اس طریقہ پر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس پشیمانی اور پریشانی کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرد یتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت رحیم و کریم ہے، اس کی رحمت کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے، اگر دنیوی مثالوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بالکل یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح ممبئی کے سمندر میں پورے شہر کی گندگی جمع ہو جاتی ہے لیکن جب ایک موج آتی ہے تو پورا کچرا غائب ہو جاتا ہے، لہٰذا جب سمندر کی ایک موج سے پورے شہر کی گندگی کالعدم ہو سکتی ہے تو اللہ کی رحمت کے سمندر کا عالم کیا ہوگا؟ اس کو سمجھنا ہی ہم لوگوں کے لیے مشکل بات ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اگر بندہ پورے آسمان و زمین بھر کر گناہ لے کر آئے، اور اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو تو میں اس کو معاف کر دوں گا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پہلے کوئی اللہ تعالیٰ سے مانگ کر بھی تو دیکھے، ورنہ بغیر مانگے تو

کوئی حل ہونے والا ہی نہیں ہے، جیسے سمندر کے کنارے گندگی جمع ہی نہ ہو بلکہ شہر ہی میں رہے تو اس گندگی سے سوائے تعفن کے اور کچھ نہیں ہوگا لیکن اگر وہی گندگی سمندر کے کنارے چلی جائے تو پھر اس کو ایک موج صاف کردے گی، اور شہر بھی تعفن سے پاک رہے گا، اور اس کی فضا ٹھیک رہے گی، ایسے ہی انسان جب گندگیوں اور ناپاکیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ ایسا معاف کرتا ہے کہ کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ شخص بھی گناہ گار تھا، لیکن اگر کوئی شخص اپنے گناہوں کی گندگی کو روکے رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں جا کر توبہ نہیں کرتا، تو پھر اس میں کسی کا کیا دوش ہے بلکہ خود اس کی کمی ہے کہ وہ اس گندگی سے ساری دنیا کی فضا کو مسموم کر رہا ہے۔

ہماری ذمہ داری

ہم سب کی یہ ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کریں جس سے پوری دنیا کی فضا خوشگوار ہو جائے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسان نسخہ بھی بیان فرما دیا کہ کچھ نہیں کر سکتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور کرو، کیونکہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے تو اسی کے راستہ پر چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حشر اسی کے ساتھ طے فرما دیتا ہے، لہٰذا ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ ہمارے اندر اللہ و رسول اور نیک

بندوں سے محبت پیدا ہو جائے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ دوسری طرف ان حضرات سے بھی محتاط رہنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ یا حضور اکرم ﷺ یا آپ کے صحابہ یا اولیاء کے دشمن ہیں، یہاں تک کہ ان کے تعلق سے بدگمانی سے بھی باز رہنا چاہیے کیونکہ جو بدگمانی کرے گا وہ مار کھائے گا اور جو برا بھلا کہے گا اس کو تو بہت ہی خطرناک سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو صحیح محبت کرنے کی اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔

دوستی اور دشمنی کا معیار

یہ بیان اللہ کے لیے بغض اور نفرت سے متعلق ہے، اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو غیر معمولی ترقی عطا کرتا ہے، اور اس کے اندر نشاط اور سرگرمی پوری طرح پیدا کرتا ہے، اور کاموں میں اس کو چاق و چوبند کرتا ہے، اور ان سب سے بڑھ کر اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کے لیے روحانی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اور اس کو اللہ کے قرب کو حاصل کرنے میں بڑا دخل ہے، لیکن آج کسی کا کسی سے تعلق صرف اللہ کے لیے ہو، محبت اللہ کے لیے ہو، اور اگر کسی سے روٹھنا ہو یا نفرت ہو وہ بھی اللہ کے لیے ہو، یہ چیز بالکل عنقا ہوتی جارہی ہے، حالانکہ اگر یہ ساری چیزیں اللہ کے لیے ہوں تو ہر ایک کا ملنا بھی بہتر ہوگا اور جانا بھی بہتر ہوگا، لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے تو ایسے شخص کا ملنا بھی اور جدا ہونا بھی نامبارک، یعنی ملنا بھی باعث خیر نہیں، اور چھوڑ کر جانا بھی باعث برکت نہیں۔

محبت کی شرطیں

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾(آل عمران:۲۸)

ترجمہ:- مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا اس سے خدا کا کچھ (عہد) نہیں، ہاں اگر اس طریقہ سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو، (تو مضائقہ نہیں)

فائدہ:- معلوم ہوا کسی شخص سے محبت کرنے سے پہلے کچھ چیزوں کو دیکھنا ضروری ہوگا، جن میں سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ جس سے محبت کرنا چاہیے، اس کا دل کفر سے پاک ہو، شرک سے دور ہو، اسی لیے اہل ایمان کو منع کیا گیا ہے کہ اہل ایمان کو چھوڑ کر وہ کفر اور شرک والوں کو اپنا دوست بنائیں، اور دوست کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ دلی تعلق، محبت کا تعلق قائم کرنا ہے، البتہ جہاں تک مدارات کا تعلق ہے، تو اس کی اجازت ہی نہیں بلکہ دعوتی پہلو سے وہ بھی سنت ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ایمان والا ایمان

والے ہی کی طرف مائل ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کو ہمیشہ اپنے سامنے ایمان نظر آتا ہے، اور یہ ایمان ایسی غیر معمولی وقیمتی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے صاحب ایمان ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں ایمان کم نہ ہو جائے، اور ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے ایمان میں کمی کا خدشہ ہو۔

حب الٰہی کے حقدار

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ". (۱)

ترجمہ:- ضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے لیے باہم محبت کرنے والوں اور میرے واسطے ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے والوں اور میری خاطر ایک دوسرے سے ملنے جلنے والوں اور میری ہی رضا کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہوگئی۔

(۱) رواه مالك في المؤطا: ۱۷٤۸

فائدہ:- مذکورہ بالا روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ وہی صحابی رسول ہیں جن کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: اے معاذ! میں تم کو چاہتا ہوں۔ درحقیقت حضرت معاذؓ کے لیے حضور ﷺ کا یہ ایسا جملہ تھا کہ اگر اس وقت حضرت معاذؓ آسمان تک اچھل گئے ہوں تب بھی کوئی بعید بات نہیں ہے، مگر آپ ﷺ نے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہدایت فرمائی کہ یاد رکھنا ہر نماز کے بعد یہ ضرور پڑھا کرو: اللھم أعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك، یعنی اے اللہ! ہماری مدد فرما اپنے ذکر اور شکر اور اچھی عبادت کے ذریعہ سے۔ گویا کہ یہ بھی محبت کا ایک نسخہ ہے کہ وہ صحیح محبت کرنے والوں کا محبوب بنے، اس کو ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا چاہیے، اس سے محبت پیدا ہوگی۔

اسی طرح حضرت معاذؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شخص نے ان کو دیکھا، اور اس کو ان سے محبت پیدا ہوگئی، چنانچہ اس نے کہا: میں ان سے ضرور اپنی اس محبت کا تذکرہ کروں گا، لہٰذا حضرت معاذ مسجد میں جس جگہ درس دیتے تھے، وہ شخص وہاں بہت سویرے گیا، لیکن جب وہ وہاں گیا تو اس نے دیکھا کہ حضرت معاذ وہاں پر پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے تھے، بہرحال اس آدمی نے حضرت معاذؓ کے قریب جا کر اللہ کے لیے ان سے اپنی محبت کرنے کا ذکر کیا، جس پر حضرت معاذؓ نے تین مرتبہ ان سے

تصدیق کرائی، اور اس سے اس کا کپڑا کھینچ کر فرمایا: مبارک ہو، اللہ نے فرمایا ہے: میری محبت واجب ہوگئی آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کے لیے۔ گویا حضرت معاذؓ کی اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص نیت کا استحضار کر کے کسی مجمع میں اللہ کے لیے محبت کے ساتھ بیٹھتا ہے تو اس کے لیے یہ بیٹھنا بھی جنت کو واجب کرنے والی چیز ہوگی۔

مسلمان بھائی سے ملاقات کرنا

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : أَنَّ رَجُلاً زَارَ أَخاً (لَهُ) فِیْ قَرْیَةٍ أُخْرٰی، فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلٰی مَدْرَجَتِهِ مَلَکاً، فَلَمَّا أَتٰی عَلَیْهِ قَالَ: أَیْنَ تُرِیْدُ؟ قَالَ: أُرِیْدُ أَخاً لِیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ، قَالَ: هَلْ لَکَ عَلَیْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، غَیْرَ أَنِّیْ أَحْبَبْتُهُ فِی اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَیْکَ بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّکَ کَمَا أَحْبَبْتَهُ فِیْهِ۔(۱)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے دوسری بستی روانہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ مقرر کیا، جب یہ اس کے پاس سے گزرا تو

(۱) رواہ مسلم فی کتاب البر والصلة: ۲۵۶۷

فرشتہ نے کہا: کہاں کا ارادہ رکھتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا: میں اس بستی میں اپنے بھائی سے ملنے جارہا ہوں، فرشتہ نے کہا: کیا اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے جو اس کو نبھاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، مجھ کو اس سے اللہ کے لیے محبت ہے، فرشتہ بولا: میں اللہ کا قاصد ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے محبت کی جیسے تم نے اس کے لیے محبت کی۔ (مسلم)

فائدہ:- معلوم ہوا اگر ہم اللہ کے لیے کسی سے محبت کریں گے تو اللہ ہم سے محبت کرے گا، اور جب وہ محبت کرتا ہے، تو ایسے شخص سے محبت کا حکم فرشتوں کو بھی دیا جاتا ہے، اور اس کی محبوبیت زمین پر بھی اترتی ہے، یہاں تک کہ اس کی محبوبیت عام ہو جاتی ہے، لیکن محبوبیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بہت شور وغوغا ہو، یہ محبوبیت نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ ابال ہوتا ہے، اسی لیے لوگ اس کے اندر دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ فلاں شخص کی اتنی شہرت ہے اور اس کے ماننے والے اتنے زیادہ ہیں، حالانکہ وہ سب کچھ پروپیگنڈہ کی وجہ سے شہرت ہوتی ہے، جو بہت جلد ختم ہونے والی ہوتی ہے، جس کی مثال بالکل فوارہ کی مانند ہے، جیسے وہ کہیں چل رہا ہوتا ہے تو بسا اوقات اس کو لوگ دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے نیچے بہت زیادہ پانی ہے، حالانکہ بمشکل اس کے اندر ایک ڈرم پانی ہوتا ہے، باقی فوارہ مشین سے ابل رہا

ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ پانی ہوگا۔

محبت کی علامت

حقیقی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ باقی رہتی ہے، ختم نہیں ہوتی ہے، البتہ عقیدت مٹ جاتی ہے، لیکن محبت ختم نہیں ہوتی ہے، اسی لیے حضرت تھانویؒ نے فرمایا: مجھ سے جو لوگ عقیدت رکھتے ہیں ان کے مقابلہ میں محبت کرنے والوں کو زیادہ چاہتا ہوں۔ جس کی علت یہ بتائی کہ عقیدت مٹ سکتی ہے، لیکن محبت نہیں مٹ سکتی، کیونکہ عقیدت میں اگر انسان کسی کو بڑا سمجھتا ہے تو اگر اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا بڑا شخص آجائے گا تو وہ شخص اسی سے عقیدت وابستہ کرلے گا، البتہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہوگی تو چاہے کوئی آئے یا جائے اس کو محبت ایک ہی سے رہے گی، اسی لیے اگر کسی شخص کی محبت اللہ سے ہوگی اور اس کے لیے بھی اللہ کی طرف سے محبت ہوگی تو ایسے شخص کی محبت لوگوں کے دلوں میں نازل کردی جائے گی جیسا کہ ہمارے بزرگان دین کو حاصل تھی۔

حقیقی محبت کے چند نمونے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے لوگوں کی محبت کا جو عالم ہے

اس کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دلوں میں کیسی محبت پیدا فرمادی ہے، جس کا مشاہدہ ہم کرتے رہتے ہیں، ایک مرتبہ ہمارا حرم شریف جانا ہوا، اور وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، جنہوں نے دیکھ کر فوراً کہا: تم مولانا علی میاں کے گھر کے تو نہیں ہو؟ ہم نے کہا: جی ہاں، ہم مولانا ہی کے گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں، اتنا کہنا تھا کہ وہ زار و قطار رونے لگا، اور ہم کو زور سے پکڑ لیا، یہاں تک کہ جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہ شخص وہاں بھی آیا، اور ایک بجے رات تک سونے نہیں دیا، بس مولانا کو یاد کرتا تھا اور روتا تھا، جب کہ خود اس کا تعلق ایران سے تھا، غرض کہ ایسے نہ جانے کتنے لوگ ملتے رہتے ہیں، جن کو حضرت مولانا سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔

دراصل یہ وہی محبت ہے جو دل میں ڈال دی جاتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد ان لوگوں کی تمام خواہشات پورا کرنے کا بھی انتظام فرمادیتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی محبوبیت کے متعلق بے شمار واقعات سناتے تھے، فرماتے تھے کہ جو حضرت چاہتے تھے وہ خود بخود ہوتا رہتا تھا، حالانکہ حضرت چپ بیٹھے رہتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ آنے والے تھے، جس کی اطلاع آگئی تھی کہ

حضرت شیخ صاحب آنے والے ہیں، چنانچہ ان کی آمد پر حضرت رائے پوریؒ بہت پریشان تھے، کیونکہ حضرت شیخ الحدیث کو گوشت بہت پسند تھا، اور رائے پور کے جنگل میں علی الفور گوشت ملنا کیسے ممکن ہوسکتا تھا، اس لیے حضرت نہایت پریشان نظر آہی رہے تھے کہ اتنے میں کچھ لوگ آئے، اور عرض کیا: حضرت! آج راستہ میں ہمارے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا کہ ایک ہرن کا بچہ ہماری گاڑی کے سامنے کھڑا ہوگیا، ہم نے اس کو بہت ہارن دیا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں بھاگا، بالآخر ہم لوگوں نے مجبور ہوکر اس کو ذبح کرلیا ہے، جس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ حضرت نے فرمایا: ماشاء اللہ انتظام ہوگیا، اب حضرت شیخ الحدیث آرہے ہیں، ان کے لیے یہی گوشت پکواؤ۔

اسی طرح ایک اور واقعہ سناتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا: حضرت رائے پوریؒ کی ہڈی میں کچھ تکلیف تھی، جس کی وجہ سے حکیم صاحب نے ایسی صدری پہننے کے لیے کہا، جس کی روئی کمزور ہڈی کی طرف زیادہ ہو، اور مضبوط والی ہڈی کی طرف کم ہو، لیکن حضرت نے اس بات کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی، البتہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شام کو ایک صاحب ویسی ہی صدری لے کر حاضر خدمت ہوگئے، جو کہ کھلی ہوئی غیبی مدد تھی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا: حکیم صاحب نے حضرت رائے پوریؒ سے موم کے استعمال کو کہا، لیکن حضرت رائے پوری نے یہ سوچ کر کہ موم کہاں ملے گا، اس کی طرف توجہ نہ فرمائی، البتہ خدا کی غیبی مدد ایسی ہوئی کہ ایک صاحب اچانک موم لے کر شام کے وقت حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضرت! راستہ میں یہ بک رہا تھا، میں نے سوچا شاید آپ کے کچھ کام آسکے، اس لیے لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔

یہ محبوبیت کا اعلیٰ مقام ہے، کیونکہ جب آدمی محبوب ہو جاتا ہے تو اس طرح کے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں، مگر شرط یہی ہے کہ سچی محبت ہو، اور اللہ کی طرف سے اس کے بدلہ میں اس کو سچی محبت ملی ہو، اگر کوئی اس درجہ پر فائز ہو تو اس کی مقبولیت و برکت کا کوئی کنارہ ہی نہیں ہے۔

جھوٹی محبت کا انجام

اگر حقیقی محبت نصیب نہیں ہے، بلکہ جھوٹی محبت کے نتیجہ میں کوئی محبوب بنا ہوا ہے تو جھوٹے محبوبوں میں سب سے بڑا مقام ناچنے گانے والوں کو حاصل ہوگا، جن کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ اپنی جانیں گنوا دیتے ہیں، اسی لیے ایسے جھوٹے محبوبین کا انجام دیکھ لینا چاہیے کہ ان کی موت کس حال میں ہوتی ہے، اسی لیے ان کی حقیقت تو یہ ہے کہ

چار دن کی چاندنی پھر وہی اندھیری رات

کیونکہ ایسے لوگوں کی جب جوانی ڈھلتی ہے، پھر ان کے پاس سے ہر کوئی کھسک جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے بعد ان کے قریب بھی کوئی نہیں جاتا ہے، کیونکہ یہ محبت غرض والی ہوتی ہے، دنیوی محبت ہوتی ہے، فنا ہو جانے والی ہوتی ہے، اس لیے کچھ دنوں کے بعد ان کے جو موت کے واقعات سامنے آتے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت کسمپرسی کے عالم میں مرتے ہیں، یہاں تک کہ اخیر عمر میں ان کے گھر والے بھی ان کو پوچھنا چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ اٹھا کر پھینک دیتے ہیں، کبھی اسپتال میں پھینک دیا جاتا ہے، کبھی اولڈ ہاؤس میں پھینک دیا جاتا ہے، حالانکہ انہی کے پیچھے ہزاروں چاہنے والوں نے جان دی ہوتی ہے، جس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ کسی کا جان دے دینا بھی محبت کی علامت نہیں ہے، کیونکہ یہ نفسانی محبت ہے، جس کا ظہور بھی ہوتا رہتا ہے، اور اصل محبت تو یہی ہے جو اللہ کے لیے ہو، یعنی اللہ کے لیے ملنا ہو، اللہ کے لیے ساتھ رہنا ہو، تو ایسی محبت کے اندر مزا ہی مزا ہے۔

مفاد پرستی

آج کل انسان کی پوری زندگی میں کوئی کام بغیر مطلب کے نہیں

ہوتا، یعنی کسی سے محبت ہو، ملنا جلنا ہو، ان سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور مضمر ہوتا ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی انسان محض اللہ کے لیے ہر کام کرتا ہو، مثال کے طور پر آج کے زمانہ میں جنازہ کے اندر شرکت کرنے کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنازہ میں بہت کم لوگ شرکت کرتے ہیں، اور اگر شرکت کرتے بھی ہیں تو اس نسبت سے کہ ان سے ہمارے بہت تعلقات تھے، انہوں نے ہم پر احسان کیا تھا، یا یہ ہمارے رشتہ دار ہیں، لیکن ایسے حضرات بہت کم ہوں گے جو اللہ کی رضا کے لیے شرکت کرتے ہوں، اسی لیے حدیث میں جنازہ کی شرکت کے متعلق ملنے والے ثواب کو ایمان واحتساب کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آج ہماری نیت درست نہیں ہوتی ہے اس لیے ایسے کاموں میں شرکت کرنے کے باوجود اس کا فائدہ اور اس کی برکات ہم کو نظر نہیں آتی ہیں۔

عرش الٰہی کے سایہ میں

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِیْ ظِلِّهٖ، یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ: اِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ، اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیْ أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ، وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ. (۱)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

(۱) رواه البخاری فی کتاب الأذان: ٦٦٠ رواه مسلم فی کتاب الزکاة: ١٠٣١

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات آدمی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ''قیامت کے دن'' اپنا سایہ کرے گا، جس دن بجز اللہ کے سائے کے کوئی سایہ نہ ہوگا، ۱- منصف حاکم، ۲- وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو ونما پائی، ۳- نماز کا ایسا پابند شخص جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہے، ۴- وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے محبت کریں، ۵- ایسا شخص جس کو ذی حیثیت اور حسین وجمیل عورت معصیت کی دعوت دے، اور وہ یہ کہتا ہوا انکار کردے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں، ۶- ایسا شخص جو اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بایاں ہاتھ بھی نہ جانے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (یعنی قریب ترین شخص کو بھی صدقہ کرنے کا علم نہ ہو) ۷- ایسا شخص جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہنے لگیں۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ:- جب قیامت برپا ہوگی اور گرمی کا سخت عالم ہوگا، اور سورج کی تمازت والی کیفیت ہوگی، تو اس وقت اچھے اچھے حیران و پریشان ہوں گے اور سب اپنے اپنے پسینہ میں ہوں گے، اس وقت اللہ آپس میں محبت کرنے والوں کو پکارے گا کہ میری عظمت کی وجہ سے محبت کرنے والے کہاں ہیں، آج میں ان کو سایہ دیتا ہوں، لہٰذا اس دن اللہ

کے سایہ میں جن لوگوں کو سایہ نصیب ہوگا، مندرجہ بالا حدیث میں ان کا ذکر فرمایا گیا، جن کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ عنایت فرمائے گا، اور مجموعی طور پر ان سات قسم کے آدمیوں میں جو اصل اور قیمتی صفت ہے جس کی بنیاد پر سایہ نصیب ہوگا وہ یہ ہے کہ جو کام ان کے لیے بہت مشکل ہے وہ کام وہ اپنے لیے آسان کرلیں، اور جس کام کو کرنے میں ان کو دشواری ہو رہی ہو، اس کام کو بآسانی انجام دے لیں، خواہ دل پر کیوں نہ گزر جائے، یعنی غلط کام کرنے کے اسباب بھی مہیا ہوں، اور ساری صلاحیتیں بھی موجود ہوں، لیکن اللہ نے چونکہ حکم نہیں دیا ہے، اس لیے وہ کام نہیں کر رہا ہو، لہٰذا جو شخص اس سلسلہ میں جتنا آگے ہوگا اتنا ہی اس سایہ میں بھی وہ سب سے آگے ہوگا۔

منصف حاکم

نمبر ایک وہ امام عادل ہے، یعنی ایسا بادشاہ، سربراہ حکومت اور حاکم وقت جس کے حاکم ہونے کی وجہ سے اس کے ایک ایک آرڈر کی تعمیل کی جاتی ہے، چونکہ اس کے پاس ہر طرح کے اسباب مہیا ہوتے ہیں، دنیا کا جتنا مال ومتاع، جاہ وجلال ہوسکتا ہے، وہ سب اس کو حاصل ہوتا ہے، لہٰذا وہ جس کے ساتھ جو چاہے کرسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی حاکم

وقت عدل کو پامال نہیں کرتا، اور عدل کے ساتھ کام کرتا ہے، جس کا جو حق ہے وہ ادا کرتا ہے، گویا کہ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھتا ہے، نہ افراط میں مبتلا ہے نہ تفریط میں، تو ایسے حاکم کا مقام سب سے بلند ہے، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس تمام اسباب موجود ہیں، وہ جس کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کوئی غلط کام نہیں کرتا ہے، بلکہ جو کام عدالت کے پیش نظر ہونا چاہیے وہی کرتا ہے تو اس کا مقام سب سے بلند ہے۔

عبادت گزار نوجوان

نمبر دو وہ نوجوان ہے، جس کے اندر پوری طرح جوانی پائی جاتی ہو اور جوانی کے جتنے اسباب ہیں وہ سب مہیا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ہو، تو ایسے نوجوان کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا، اس لیے کہ جوانی کی عبادت بھی جوان ہوتی ہے، اور بڑھاپے کی عبادت بوڑھی ہوتی ہے، گویا دونوں کی عبادتوں میں فرق ہے، البتہ جس نے جوانی ہی سے عبادت کی ہو تو اس کو سدا جوانی حاصل رہے گی، یعنی اس کے بڑھاپے کی عبادت بھی جوان رہے گی، لیکن اگر کسی نے جوانی میں عبادت نہیں کی، بلکہ بڑھاپے میں کی تو اس کی

عبادت چاہے کیسی ہو، لیکن بوڑھی رہے گی، غرض کہ جو جوان اللہ کی عبادت میں لگتا ہے اس کی بات بہت انوکھی ہے، کیونکہ جوانی کے دن کھیلنے، ٹہلنے، رنگ رلیاں منانے کے سمجھے جاتے ہیں، اسی لیے جوانی کے متعلق حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جوانی جنون یعنی پاگل پن کا ایک حصہ ہے، اسی لیے عموماً انسان اپنی جوانی کو غلط جگہ خرچ کرتا ہے، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جوانی کو صحیح جگہ پر لگاتے ہیں۔

موجودہ ذہنیت

لیکن آج کل کا ماحول اس قدر خراب ہو چکا ہے کہ عموماً لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جوانی سے عبادت کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات اگر بعض تبلیغ کے احباب وغیرہ میں سے کوئی کسی نوجوان کو اپنے ساتھ دینی کاموں میں شامل کر لیتے ہیں تو اس کی وجہ سے گھر والے بھی پریشان ہو جاتے ہیں کہ ابھی سے اس نے ڈاڑھی رکھ لی، اور عبادت میں لگ گیا۔ ایک نوجوان ساتھی کے متعلق علم ہوا کہ وہ ایک بڑے عہدہ پر ہیں، بڑے دین دار ہیں، کچھ دنوں پہلے ان کی ڈاڑھی منڈھی ہوئی تھی، لیکن اب وہ دین کے کام میں لگ گئے ہیں، جس کے بعد انہوں نے ڈاڑھی رکھ لی ہے، اور کالج میں بھی پڑھنے کے لیے جاتے ہیں، لیکن جب

انہوں نے ڈاڑھی رکھی تھی تو اس کے بعد اپنے گھر میں جانے کی ان کی ہمت نہیں ہورہی تھی، کیونکہ ان کے والد کا کہنا تھا کہ ڈاڑھی والے چور ہوتے ہیں، لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا، اور فجر کے بعد سے اشراق تک اپنے اوراد وظائف کا معمول بھی رکھا، جس کو وہ مسجد ہی میں ادا کرتے تھے، لیکن اس معمول پر بھی ان کے والد صاحب بہت نالاں ہوتے تھے کہ ابھی جوانی کی حالت ہی سے بزرگی سوار ہے، غرض کہ آج اگر کوئی نوجوان دین کے کاموں میں لگ جاتا ہے تو مجموعی طور پر اس کو معاشرہ میں اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔

جوانی کی عبادت

غرض کہ جوانی کی عبادت غیر معمولی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی دو رکعتیں بھی بڑھاپے کی سو رکعتوں سے بڑھ کر ہوتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص جوانی سے نیک اعمال کرتا رہے گا اور اس کے بعد جب بڑھاپا آئے گا تو ایسے شخص کی عبادتیں جوان ہی رہیں گی، کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر جڑ جاتی ہے وہ جوان ہوجاتی ہے، پھر اس کے اندر کبھی برائی نہیں آتی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے متعلق آتا ہے کہ ان کے آخری بیٹے کی پیدائش اس وقت ہوئی جب وہ اسی (۸۰) سال کی عمر

میں تھے، چنانچہ اس پر بعض لوگوں نے مولانا سے سوال کیا: آپ کی عمر اسی (۸۰) سال ہے، اور ماشاء اللہ اس عمر میں اس بچہ کی پیدائش؟ تو مولانا نے پہلے مزاق میں فرمایا: مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد جو بات کہی وہ سننے کی بات ہے، انہوں نے فرمایا: جوانی میں میں نے اپنی حفاظت کی، بڑھاپے میں خدا نے میری حفاظت کی، یعنی جوانی میں میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا، بلکہ میں اپنی حفاظت میں لگا رہا، تو بڑھاپے میں اللہ نے میری جوانی باقی رکھی، اسی لیے اس عمر میں بھی مجھے کسی طرح کی کوئی کمزوری نہیں ہے۔

معلوم ہوا جو سنت پر عمل کرتا ہے وہ سراپا جوان رہتا ہے، اس کا بچپن اس کے بچپن کے برابر ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان بچپن ہی سے سنت پر عمل کرے، ایسا نہ ہو کہ بچپن میں کچھ نہ ہو اور بڑھاپے میں بہت عبادت کی جائے، جیسا کہ مسواک ہے، اس کو اگر کوئی شخص بچپن سے سنت سمجھ کر کرتا ہے، تو اس کو فائدہ اور سنت کی اتباع کا ثواب حاصل ہوگا، لیکن اگر کسی نے شروع سے مسواک کا اہتمام نہ کیا ہو بلکہ جب دانت خراب ہو جائیں اور منہ سے بدبو آنے لگے تب مسواک کا اہتمام کیا جائے، تو ایسے وقت میں اس کے اس کام کو سنت نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ منہ سے بدبو بھگانے کے لیے مسواک کرنا سمجھا جائے گا۔

اچھا اور برا دل

تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لٹکا رہتا ہو، یعنی کوئی انسان مسجد سے نکلتے ہی مسجد کی فکر میں رہے، یہ نہ ہو کہ اس شخص کا دل بازار میں لٹکا رہے، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے، اسی لیے واضح رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بری جگہ بازار ہے، سب سے اچھی جگہ مسجد ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس شخص کا دل سب سے اچھی جگہ سے لٹکا رہے گا، تو اس کا دل بھی سب سے اچھا رہے گا، ورنہ اگر کسی کا دل سب سے بری جگہ سے لٹکا رہا، اور اسی کو پسند کرتا رہا تو اس کا دل سب سے برا ہوگا، اسی لیے جس کا دل مسجد میں لٹکا رہتا ہے تو وہ چونکہ سب سے اچھے دل والا ہوتا ہے، لہٰذا اس کا مقام بھی سب سے بلند ہوتا ہے۔

غیبی نظام

اللہ تعالیٰ نے مسجد سے دل لٹکے رہنے کے لیے نمازوں کا نظام بھی ایسا متعین فرمایا ہے کہ اگر کوئی پابند شخص ہو تو اس کا دل ہمیشہ مسجد ہی میں لٹکا رہے گا، مثلاً: فجر کی نماز انسان نے ادا کی، اور اس کے بعد اپنے کام میں لگ گیا، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کا دل مستقل ظہر کی نماز میں لگا ہوا ہے کہ کہیں ظہر کی نماز نہ چلی جائے، اسی لیے جب وقت شروع ہوتا ہے تو

فوراً ایسا شخص مسجد آجاتا ہے، اور ظہر کے بعد کھانا کھا کر کچھ آرام کرنا ہی چاہتا ہے لیکن اس کے اندر بھی دل اسی میں لٹکا رہتا ہے کہ کہیں عصر کی نماز نہ چلی جائے، اسی لیے وقت شروع ہوتے ہی فوراً پھر مسجد میں آجاتا ہے، اور اس کے بعد کچھ تفریح کے لیے نکلتا ہی ہے کہ دل مسجد میں لٹکا رہتا ہے، کہیں باتیں وغیرہ کرنے میں ایسا غرق نہ ہو جائے کہ مغرب چلی جائے، اس لیے تھوڑی دیر گزرنے کے بعد فوراً پھر مسجد آجاتا ہے، اور مغرب کے بعد کھانا وغیرہ کھاتا ہے، اور سونے کی تیاری کرتا ہے لیکن اس کے باوجود جاگا ہوا رہتا ہے کہ کہیں عشاء فوت نہ ہو جائے، اس لیے وقت شروع ہوتے ہی عشاء کی نماز باجماعت ادا کر کے انسان اطمینان کے ساتھ سو جاتا ہے، گویا یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نظام ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے تو اس کا دل ہمیشہ مسجد ہی میں لٹکا رہے گا۔

دو محبت کرنے والے

نمبر چار ایسے وہ دو شخص ہیں جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے ہوں، اور اللہ کے لیے ہی ملنے والے ہوں، اور اللہ کے لیے ہی جدا ہونے والے ہوں، لہٰذا اگر کوئی اس درجہ کی محبت کرنے والے ہوں گے تو ان کے ملنے میں بھی خاص برکت ہوگی، اور جدا ہونے میں بھی خاص

برکت ہوگی، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ جو صاحبِ محبت تھے، انہوں نے اپنے ایک شعر میں صحیح محبت والوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ؎

جو ہیں اہل محبت مزا محبت کا پا رہے ہیں
کبھی محبت سے آرہے ہیں کبھی محبت سے جا رہے ہیں

معلوم ہوا جو صحیح معنی میں اہل محبت ہیں، ان کے آنے میں بھی مزا ہے، اور جانے میں بھی مزا ہے، کیونکہ جب وہ جاتے ہیں تو اللہ کے کام کے لیے جدا ہو کر جاتے ہیں، اس لیے جانے میں بھی بہت مزا آتا ہے، اور آنے میں مزا اس لیے آتا ہے کہ اللہ کے لیے ملاقات ہو رہی ہوتی ہے اور جانے میں اس لیے مزا آتا ہے کہ اللہ کے لیے جا رہے ہوتے ہیں، غرض کہ اگر یہ محبت صحیح طور پر حاصل جائے تو پھر مزا ہی مزا ہے، کیونکہ سچی محبت میں سوائے مزے کے کچھ نہیں ہوتا ہے، لیکن اسی کے مقابلہ میں جھوٹی محبت کے اندر سوائے کلفت کے کچھ نہیں ہوتا ہے، اور آج کل اکثر محبت جھوٹی ہی ہوتی ہے، اور محبت کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ انسان کی محبت کسی سے اس کے مال و متاع کی وجہ سے ہو یا کسی غرض کے لیے ہو، تو ایسی محبت دھوکہ ہے، لین دین ہے، تجارت ہے، یعنی اگر ہمارا کسی سے کوئی مقصد وابستہ ہے، کچھ لین دین کا معاملہ ہے، کسی نے کوئی احسان کیا ہے اس کو چکانے کا مسئلہ ہے، کوئی اور غلط قسم کا ان سے

تعلق وابستہ ہے، اس وجہ سے ہم اس کے پاس جارہے ہیں تو ظاہر ہے وہ کلفت کا ذریعہ ہے، اسی لیے یہ علامت ہے کہ جس محبت سے کلفت ہو اس محبت میں کھونٹ ہے، اور جس محبت میں مزا ہو وہ اصل محبت ہے، لیکن آج کل کی محبت میں مزا نہیں ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ آج محبت غلط محل پر کی جارہی ہے، اسی لیے غالب کا ایک شعر ہے جس سے آج کی محبت کی عکاسی ہوسکتی ہے۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

گویا اس دور کی محبت صرف نکما بنانے والی ہے، لیکن جو اصلی محبت ہوتی ہے، اس کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے مولانا محمد احمد صاحبؒ نے اشارہ فرمایا۔

عشق نے احمد محلی کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

معلوم ہوا جو عشق اور محبت انسان کو نکما بنائے وہ محبت غلط ہے، لیکن اگر صحیح محبت و عشق دل کے اندر موجود ہو تو انسان صرف نام کا نہیں رہ جاتا، بلکہ بہت چمک جاتا ہے۔

محبت کا نسخہ

غرض کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں محبت کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ تم جنت میں ایمان والے ہوئے بغیر نہیں جاؤ گے، لیکن ایمان والا ہونے کے شرط بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ ایمان آپس میں محبت کرنے سے پیدا ہوتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس محبت کو پیدا کرنے کے لیے حدیث میں نسخوں کو بھی بیان فرمادیا گیا، جن میں سے سب سے مؤثر ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپس میں خوب سلام کیا کرو، تاکہ محبت عام ہو، کیونکہ محبت ایک اکسیر ہے، یہ ایک ایسا نسخہ ہے جس کے استعمال کرنے سے امراض قلب ختم ہوجاتے ہیں، سوخت ہوجاتے ہیں، اور محبت کی وجہ سے حسد اور دل کی دوسری بیماریاں وغیرہ بھی سب مٹ جاتی ہیں، لہٰذا اگر یہ بیماریاں مٹ رہی ہوں تو انسان کی محبت صحیح ہے، ورنہ اگر کسی شخص کے اندر محبت کے باوجود بھی یہ تمام بیماریاں پائی جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کی محبت ابھی درست نہیں ہے، اس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

پاک دامن انسان

پانچواں وہ شخص ہے جس کو کوئی خوبصورت عورت برائی کی دعوت

دے اور وہ عورت صاحب جاہ بھی ہو، یعنی ایک طرف تو وہ حسن و جمال کا پیکر ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ صاحب منصب بھی ہو، اور خاندانی حسب ونسب کی عورت ہو، اور کسی بڑی جگہ سے اس کا تعلق ہو، اور وہ عورت کسی کو برائی کی دعوت دے، لیکن اس پر وہ شخص یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اس لیے ایسا غلط کام نہیں کرسکتا، تو ایسے شخص کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔

صدقہ کا اخفاء

چھٹا وہ شخص ہے جو صدقہ کرے اور اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی صدقہ قابل قبول ہے جس میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، اور نہ کسی پر احسان جتایا جائے، بلکہ اپنے اوپر اللہ کا بہت کرم سمجھا جائے کہ اس نے ہم کو ایسے لوگوں سے ملا دیا جن کو ہم صدقہ دے سکیں، جن کے پاس زکاۃ ہم صرف کرسکیں، اگر ایسے لوگ نہ ملتے تو ہم کیا کرتے، یہ اللہ کا ہم پر احسان ہے، لہٰذا اگر یہ بات ذہن میں رہے گی تو انسان کے دل میں کوئی بری بات پیدا نہیں ہوگی، اور نہ ہی اس کے دل میں ایسا خیال آئے گا کہ مجھے بہت مانا جائے کیونکہ میں نے اس پر احسان کیا

ہے، لہٰذا جو شخص اپنے دل سے یہ بات نکال دے گا، تو اس کا مقام بہت بلند ہو جائے گا، اور اس کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔

تنہائی میں رونا

ساتواں وہ شخص ہے جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں، یعنی ایسا نہ ہو کہ مجمع میں خوب روتا ہو، جیسا کہ آج کل رواج چل رہا ہے، حالانکہ اسلام میں رواج کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے رواجی رونا پسندیدہ نہیں ہے، البتہ تنہائی میں انسان کو رونے جیسی صورت بنانا، یہ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن اگر کسی کے تنہائی میں ایک آنسو بھی نہ ہو، اور مجمع میں خوب روتا ہو، تو یہ پسندیدہ بات نہیں ہے، آج کل یہ بھی ایک فن چل گیا ہے جب کہ اللہ کو فنکاری پسند ہی نہیں ہے، کیونکہ ایسا رونا، رلانا اور مجمع میں رونے جیسا ماحول بنانا شیعوں کے یہاں بھی بہت ہے، بلکہ ان کے یہاں تو اس کی تائید میں ایک روایت بھی ہے "من بکی وأبکی وتباکی فقد وجبت له الجنة،" یعنی جو رویا، رلایا اور رونے جیسا ماحول بنایا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، لیکن ہمارے مذہب میں ایسا کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بہکے ہوئے، بھٹکے ہوئے اور ادھر ادھر نکلے ہوئے لوگوں کی باتیں ہیں، لیکن اسلام میں ہر چیز طبعی اور ہر چیز

صحیح ہے، اور صحیح معنوں میں ہے۔

البتہ اگر کسی کو لوگوں کے سامنے بے ساختہ رونا آجائے تو اس میں کوئی ملامت نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ جب آپ فجر کی نماز میں سورۂ کہف اور سورۂ یوسف کی تلاوت فرماتے تھے تو ان کے رونے کی آواز پچھلی صف تک جاتی تھی۔ اسی طرح حضرت مولانا علی میاںؒ کے استاد شیخ خلیل عرب صاحبؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جب فجر کی نماز پڑھاتے تھے، تو کبھی بھی بغیر روئے نماز مکمل نہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ حضرت مولانا کا بیان ہے کہ میں نے ان کو کبھی کثرت بکاء کے سبب نماز میں مکمل سورت پڑھتے ہوئے نہیں پایا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو ہم نے خود دیکھا کہ آپ پر مجمع کے سامنے، بہت ہی شاذ و نادر گریہ طاری ہوتا تھا، یہاں تک کہ دعاؤں میں بھی میں نے ان کو دیکھا کہ جب گریہ کا وقت آتا تو دعا ختم کر دیتے تھے، گویا آپ کے یہاں اس قدر احتیاط تھی، لیکن حضرت مولانا ہی کو ہم نے تنہائی میں بھی دیکھا ہے کہ جب اذان ہوتی تھی تو فوراً دوہرے ہو جاتے تھے، اور عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی، لیکن اگر کوئی پاس میں ہوتا تھا تو ایسی کیفیت ظاہر نہ فرماتے تھے البتہ یہ کیفیت اندر ضرور ہوتی تھی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلق آتا ہے کہ آپ کی مجلس میں کچھ سنا

جارہا تھا، جس کی وجہ سے تمام لوگوں پر کیف طاری تھا، کوئی جھوم رہا تھا، کوئی رو رہا تھا، چنانچہ لوگوں نے حضرت سے دریافت کیا: حضرت! آپ پر کچھ اثر نہیں ہوتا؟ حضرت نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: تم پہاڑوں کو کیا سمجھتے ہو، وہ اگرچہ دیکھنے میں زمین پر ٹھہرے ہوئے نظر آرہے ہیں، لیکن قرآن کہہ رہا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ پوری زمین چکر کھا رہی ہے، یعنی بظاہر یہ زمین ٹھہری ہوئی نظر آرہی ہے لیکن درحقیقت یہ بھاگ رہی ہے، اسی لیے جو لوگ جتنے بزرگ ہوتے ہیں اسی قدر ان کے دل بھی پہاڑ کی طرح جمے ہوئے رہتے ہیں، جن کو دیکھنے میں جما ہوا محسوس کیا جاتا ہے لیکن ان کے دلوں کی حرکت بہت تیز ہوتی ہے، صحابہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ "أزیز کأزیز المرجل" یعنی ان کے سینہ سے ہانڈی کے پکنے کی طرح سے رونے کی آواز آتی ہے۔

جس سے محبت ہو اس کو بتادے

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْ أَنَّهُ يُحِبُّهُ. (۱)

ترجمہ:- حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو بتادے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ (ابوداؤد و ترمذی)

فائدہ:- معلوم ہوا انسان کو جب کسی سے محبت ہو تو اس سے اس کا اظہار فرمادینا چاہیے، اور اس محبت کو بڑھاتے رہنا چاہیے، کیونکہ صحیح محبت جس قدر انسان کے اندر بڑھتی ہے اسی قدر اس کے ایمان میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اور سارے وہ امراض جو ایمان کے منافی ہیں وہ سوخت

(۱) رواه أبو داؤد في كتاب الأدب: ٥١٢٤

ہوتے چلے جاتے ہیں، کیونکہ صحیح محبت میں انسان کو کسی سے دنیوی غرض وابستہ نہیں ہوتی ہے، اور جب کسی کو اللہ کے لیے محبت ہوگی تو ان دنیوی اغراض اور دنیوی مال ومتاع کے جو نقصانات ہیں اور اس کی محبت سے دل میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب ختم ہوجائیں گی، اور ان بیماریوں کو ختم کرنے کا پہلا ذریعہ آپس میں سلام کرنا ہے، دوسرا ذریعہ ہدیہ دینا ہے، جس سے باہم محبت پیدا ہوتی ہے، اور تیسری بات یہ ہے کہ جس سے محبت ہوجائے اس کو بتا بھی دیا جائے کہ اس کو اس سے محبت ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ کے لیے

عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ. (۱)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے خدا کے لیے محبت کی اور خدا کے لیے غصہ کیا، خدا کے لیے دیا، اور خدا کے لیے روکا اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ (ابوداؤد)

فائدہ:- اصل اور حقیقی محبت یہی ہے کہ محبت بھی اللہ کے لیے ہو، اور بغض بھی اللہ کے لیے ہو، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کو کامل کرنے

(۱) سنن أبي داؤد في كتاب السنة: ٤٦٨١

والا نسخہ اللہ کے لیے محبت اور بغض کرنا ہے، یعنی ناراضگی بھی اللہ کے لیے ہونا چاہیے، اسی لیے صحابہ کرام کے ایسے حالات ملتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے کوئی سنت کے خلاف کہہ بھی دیتا تو قسم کھا لیتے تھے کہ اس سے بات نہیں کریں گے، کیونکہ اس نے سنت کے خلاف بات کہی ہے، گویا اس شخص کے دل میں رسول ﷺ کی سنتوں کی قدر نہیں ہے، معلوم ہوا نفرت ہو یا ناراضگی انسان کو اپنے لیے نہیں ہونا چاہیے، لیکن آج ہم لوگ جو بھی کام کرتے ہیں اس میں نفس شامل ہوتا ہے، ہماری محبت بھی نفسانی ہوتی ہے، نفرت بھی نفسانی ہوتی ہے، غصہ بھی نفس کے لیے آتا ہے، حالانکہ نفس کے لیے کوئی کام نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہر کام اللہ کے لیے ہونا چاہیے، اسی لیے جب ہم اپنے نفس کو مذکورہ بالا حدیث کے مطابق ڈھال لیں گے تو ہم اپنے ایمان کو مکمل کرنے والے ہو جائیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.